NEHRU
BAL PUSTAKALAYA

حصہ دوم

ایف۔ سی۔ فریٹاس

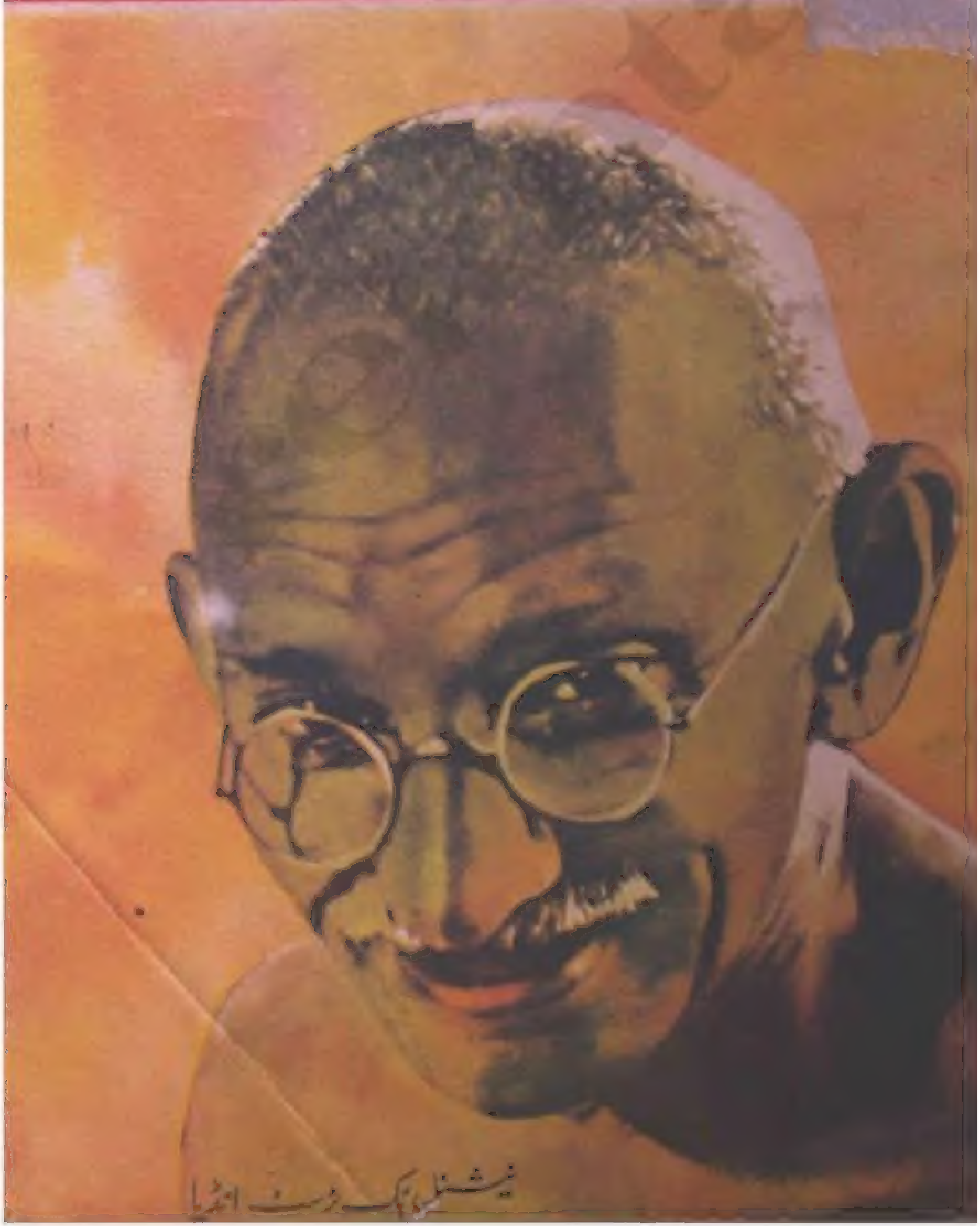

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

نہرو بال پستکالیہ ۲۰

باپو

(دوسرا حصہ)

مصنف اور مصور
ایف۔ سی۔ فری ٹامس

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا
نئی دہلی

ستمبر 1970 اساون 1892

کاپی رائٹ
ایف۔ سی۔ فری ٹامس 1970

Translated by
Saleha Abid Husain
Bapu Part II (Urdu)

قیمت 1.50

سیکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، اے۔۵ گرین پارک نئی دہلی۔۱۶ نے

rekhta

گاندھی جی کو نمک کا قانون توڑنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر پورے ہندوستان میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ اگرچہ کہیں کہیں تشدد سے بھی کام لیا گیا مگر عام طور پر سول نافرمانی پُرامن رہی۔

ایسا لگتا تھا کہ بس بیوروکریٹس ہی ساری یورپین اور ہندوستانی فوج تو برطانیہ کی وفادار تھی ورنہ باقی سب لوگ کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے۔ ہر ہفتے ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔

ایک منٹ کے نوٹس پر شہر کی سب دکانیں بند ہو جاتیں اور سڑکوں پر ہزاروں مرد اور عورت جمع ہو جاتے۔ ہر طرف مکمل سناٹا چھا جاتا۔ آنے جانے کے لیے کانگریس سے پرمٹ لینا ہوتا تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس لوگ، وطنی گیت گاتے ہوئے جلوسوں کی رہنمائی کرتے نظر آتے تھے۔ یہ سب لوگ ہاتھ کا کتا بنا کھدر پہنتے تھے۔

اب ہندوستانی برطانوی راج کو کسی طرح برداشت کرنے پر تیار نہ تھے۔

لارڈ ارون چاہتے تھے کہ گاندھی جی سے بات چیت کر کے کوئی صورت سمجھوتے کی نکالیں۔ ۲۵ جنوری کو انھوں نے حکم دیا کہ گاندھی جی اور کانگریس کی مجلس انتظامیہ کے سب ممبروں کو رہا کر دیا جائے تاکہ وہ لوگ آپس میں بات چیت کر کے کچھ طے کر سکیں۔

۲۶ جنوری سنہ ۳۱ء کو گاندھی جی اور دوسرے لیڈروں کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن حکومت کی سختیاں اب بھی جاری تھیں۔ گاندھی جی نے خواہش ظاہر کی کہ وہ وائسرائے سے مل کر رو برو بات کرنا چاہتے ہیں۔

الٰہ آباد میں ۲ فروری کو کانگریس کی میٹنگ میں لیڈروں نے طے کیا کہ گاندھی جی کو اختیار دیا جائے کہ وہ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے بات چیت کر کے کوئی سمجھوتہ کر لیں۔

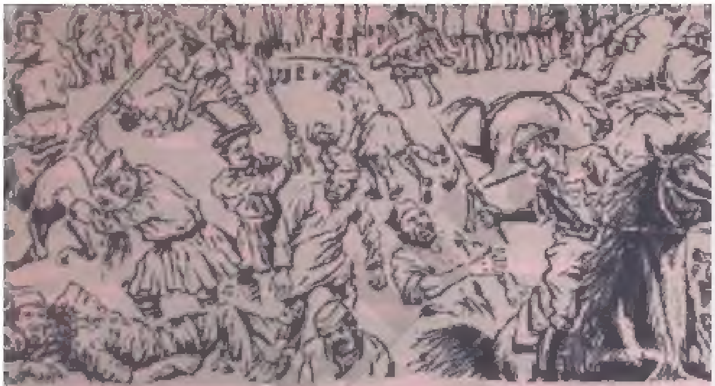

بعض لوگوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔ چرچل نے کہا: "یہ بات کس قدر افسوسناک اور ناقابلِ برداشت ہے کہ مسٹر گاندھی مڈل ٹیمپل کا وکیل جو حکومتِ برطانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے اب ایک ایسے فقیر کا ڈھونگ رچا کر جو عام طور پر مشرق میں دیکھے جاتے ہیں، لمبے ڈگ بھرتا ہوا وائسرائے کے محل میں جائے جب کہ وہ اب بھی سول نافرمانی کی مہم چلا رہا ہے، شہنشاہِ برطانیہ کے نمائندے سے برابری سے بات چیت کرے۔"

یہ بات چیت جو ۱۷ فروری کو شروع ہوئی تھی ایک معاہدے پر ختم ہوئی۔ اس معاہدے پر جو "گاندھی ارون پیکٹ" کہلاتا ہے ۵ مارچ کو دستخط ہو گئے۔ بات چیت بڑی دوستانہ اور خوشگوار فضا میں ہوئی۔ مگر سرکاری افسروں کا رویہ مخالفانہ تھا اور بہت جلد اختلافات پیدا ہو گئے۔ شاستری، سپرو اور جیکار، جو لبرل لیڈر تھے بیچ میں پڑے اور دونوں پارٹیوں سے درخواست کی کہ وہ سخت رویہ چھوڑ دیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ گاندھی جی نے سول نافرمانی کو بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس معاہدے کی شرطیں یہ تھیں: (۱) سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی جائے۔ (۲) کانگریس ہونے والی گول میز کانفرنس میں حصہ لے جو اس مقصد سے کی جا رہی ہے کہ ہندوستان کے لئے ایک وفاقی اور ذمہ دار حکومت کے آئین کا مسودہ تیار کرے جس میں سب فرقوں کے حقوق کا اور دوسری ضروری باتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ (۳) اس پر اصرار نہ کیا جائے کہ ملک کے مختلف حصوں میں پولیس کی طرف سے جو زیادتیاں بتائی جاتی ہیں ان کی تحقیقات ہو۔

وائسرائے اس پر تیار ہو گئے کہ ان سب قیدیوں کو جو سول نافرمانی کے سلسلے میں گرفتار ہوئے ہیں ایک ساتھ رہا کر دیا جائے، سب ہنگامی آرڈی ننس واپس لے لئے جائیں۔ لوگوں کو اس کی اجازت ہو کہ بغیر محصول ادا کئے نمک بنائیں اور شراب، افیم اور بدیسی کپڑوں کی دکانوں پر پکٹنگ کریں۔ آخری شرط کا یہ مقصد تھا کہ سودیشی کی تحریک کو بڑھاوا ملے۔

۲۹ اگست ۱۹۳۱ء کو گاندھی جی، پنڈت مالویہ اور مسز نائیڈو گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے سمندری جہاز پر لندن روانہ ہوئے۔ اس کانفرنس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ تیار کرے۔ ہندوستانی ریاستوں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کے نمائندے بھی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے۔

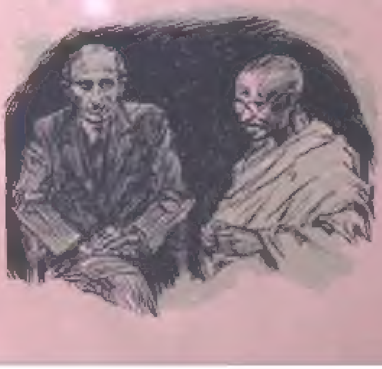

جو لوگ گاندھی جی کے ساتھ گئے تھے ان میں ان کے دونوں سکریٹری مہادیو دیسائی اور پیارے لال، ان کے بیٹے دیوداس اور میرا بہن بھی تھیں۔ ان کے پاس دوستوں خیر خواہوں کے بے گنتی پیام آئے جن میں کامیابی کے لئے دعائیں تھیں۔ اپنی عادت کے مطابق وہ جہاز پر بھی چرخا کاتتے، خط لکھتے اور کتابیں پڑھتے اور عرشے پر چہل قدمی کرتے تھے اور بچوں سے تو انھیں ہمیشہ سے پیار تھا۔ یہاں بھی یورپین بچوں سے خوب دوستی ہو گئی۔ جہاں جہاں جہاز رکتا لوگ کامیابی کی دعائیں دیتے اور خوش آمدید کہنے آتے۔

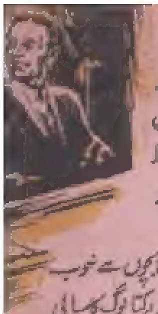

لیکن کانفرنس میں بہت سے تھکا دینے والے ہفتوں کی بحث مباحثے کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوا۔ گاندھی جی غلامی کی جگہ مکمل آزادی چاہتے تھے۔ کانفرنس میں جو تجویزیں پیش ہوئیں ان میں سے کوئی بھی گاندھی جی کے لئے قابل قبول نہ تھی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس ساری کارروائی کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کر دیا: "تم کہتے تو یہ ہو کہ میں اپنے گھر کا مالک و مختار ہوں لیکن تم نے کنجی اپنے پاس رکھ لی ہے اور دروازے پر ایک سنتری کھڑا کر دیا ہے..."

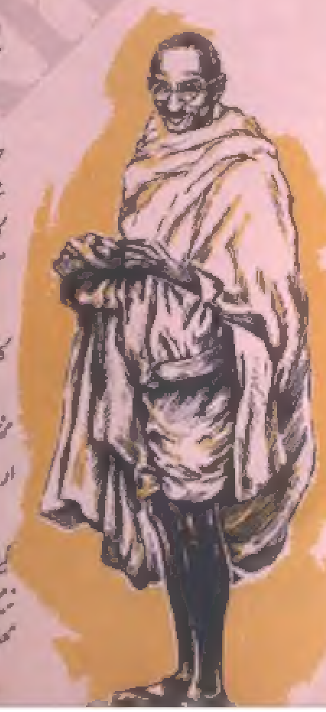

کانفرنس میں ان لوگوں نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ مجلس قانون ساز میں مختلف مذہبی فرقوں، زمینداروں اور کاروباری لوگوں کے لئے نشستیں محفوظ کر دی جائیں اور ممبروں کو صرف ان کے

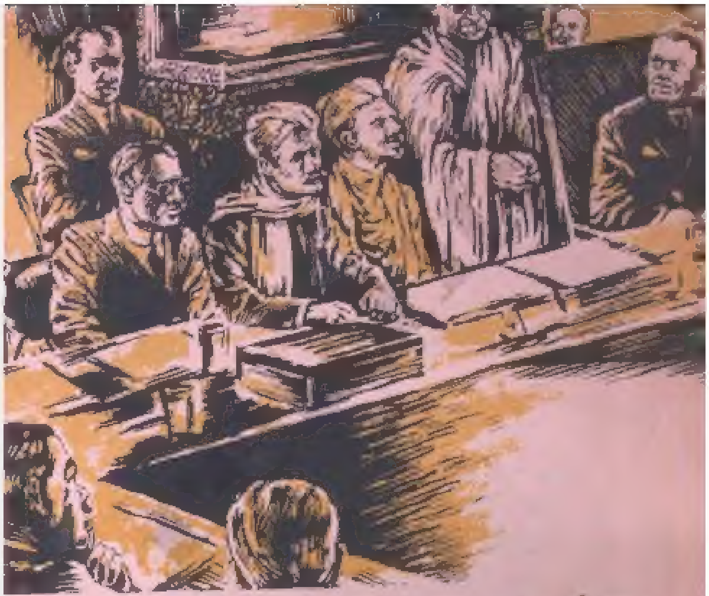

فرقوں کے لوگ ہی منتخب کریں۔

اس فیصلے سے بھلا کوئی قومی حکومت کیسے بنائی جا سکتی تھی؟ لیکن کانفرنس کے باہر گاندھی جی کو بڑی کامیابی ہوئی۔ وہ اپنے کو ایک غریب آدمی کہتے تھے اور غریبوں ہی کی طرح رہتے تھے۔ اسی لیے یہاں بھی انھوں نے غریبوں کی بستی کینگسلے ہال میں جو لندن کے ایسٹ اینڈ میں واقع ہے، قیام کیا۔ وہ مس میوریل لسٹر کے ہاں مہمان رہے۔ وہاں سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کرنے انھیں سینٹ جیمز پیلیس جانا پڑتا تھا، جو ان کی قیام گاہ سے کافی دور تھا۔ لیکن انھوں نے یہ طے کیا کہ چاہے انھیں کچھ بھی زحمت اٹھانی پڑے مگر وہ رہیں گے لندن کے غریب لوگوں کے درمیان۔ سب سے زیادہ خوشی

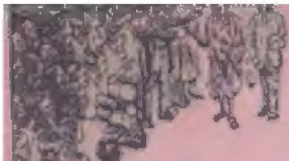

گاندھی جی کو دو دن لنکاشائر میں رہ کر ہوئی۔ ہندوستان میں بدیسی کپڑے کے بائیکاٹ کی وجہ سے وہاں کپڑے کی ملوں کے بہت سے مزدور بیکار ہو گئے تھے۔ گاندھی جی نے ان کو اپنے ملک کے لوگوں کی غریبی اور مصیبت کا حال سنایا۔ گاندھی جی کی بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ اس طرح انھوں نے ان غریبوں کے دل جیت کر ان کو اپنا طرف دار بنا لیا۔

وہاں گاندھی جی نے بہت سے جلسوں میں تقریریں کیں اور بے گنتی انٹرویو دیے۔ وہ انگلستان کے بادشاہ، لائیڈ جارج، چارلی چپلن، برنارڈ شاہ اور سر سیموئل ہور اور دوسرے بہت سے لوگوں سے ملے۔

لندن میں بھی انھوں نے اپنی صبح سویرے کی ٹہل تک نہیں چھوڑی۔ صبح سویرے شدید سردی کے باوجود وہ بغیر موزوں کے چپل پہنے، ایک اونی چادر اوڑھے، بغیر کسی کوٹ کے باہر ٹہلنے جاتے تھے۔ ان پر نکتہ چینی کرنے والے انھیں نیم برہنہ فقیر کہتے تھے، لیکن یہ وہ فقیر تھا جس کا خود انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ نے خیر مقدم کیا تھا۔

اور سب سے زیادہ مسرت ہوئی انھیں بچوں سے مل کر۔ بچے بھی ان کی شفقت اور نرمی سے بہت متاثر ہوتے تھے اور محبت کرنے لگتے تھے۔ ان کی سالگرہ کے دن، بچوں نے بہت سے پیارے پیارے کھلونے، ہندوستان کے غریب بچوں کے لیے ان کو دیے۔ انگلستان میں جتنے تحفے انھیں ملے تھے سب سے زیادہ قدر انھوں نے ان ننھے منوں کے تحفوں کی کی اور جب وہ لندن سے واپس ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ صرف یہ کھلونے ہی لے کر آئے۔

انھوں نے وہاں سب لوگوں کا دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا: "اس مہمان نوازی اور مہربانی کی یاد جو یہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ کی ہے، میرے دل سے کبھی نہیں مٹے گی۔ چاہے میرے بدنصیب ملک پر کچھ ہی کیوں نہ بیتے۔..."

وہیں پر وہ اپنے پرانے دوست اور مشہور فرانسیسی ناول نگار رومان رولاں سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر گئے۔ رولاں کو ہندوستان سے گہری محبت تھی اور وہ ہندوستانی تہذیب، ادب، فلسفہ وغیرہ کے بڑے دلدادہ تھے خاص کر یہاں کے سادھو، سنتوں، مثلاً رام کرشن پرماہنس اور سوامی وویکانند کے بہت مداح تھے۔ دونوں دوستوں نے بہت سے معاملات پر تبادلۂ خیالات کیا۔ اس میں ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ بھی تھا۔ یہاں گاندھی جی نے جو دن گزارے وہ بڑے پرمسرت تھے۔ رولاں نے جو گاندھی جی کی سوانح عمری لکھی ہے وہ بہت مشہور ہے۔

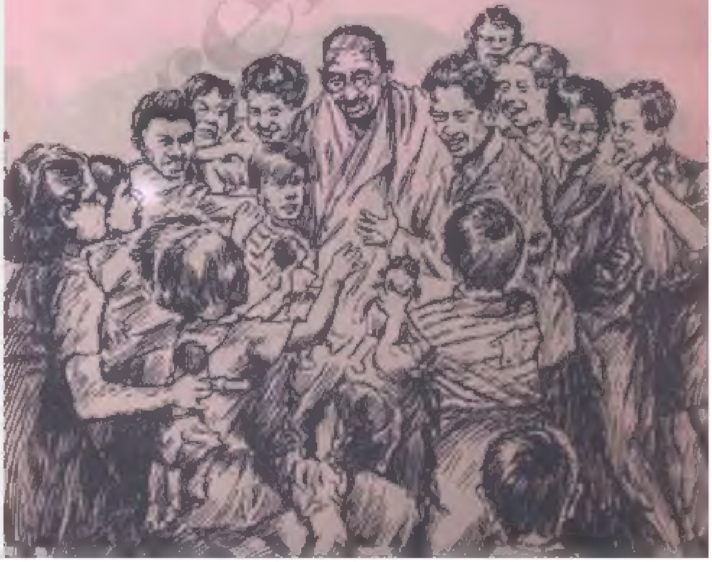

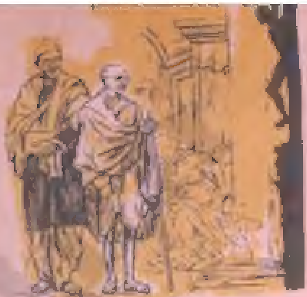

وطن واپس آتے ہوئے گاندھی جی روم کے مشہور گرجا سسٹائن چیپل میں گئے۔ جب وہ صلیب کے سامنے عزت سے سر جھکائے کھڑے تھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر پڑیں۔

۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ کو وہ بمبئی میں جہاز سے اترے اسی دن شام کو آزاد میدان میں انھوں نے ایک جلسے کو خطاب کیا۔ یہاں ان سب جلسوں سے زیادہ مجمع تھا، جن میں آج تک انھوں نے تقریریں کی تھیں۔ لندن کی بات

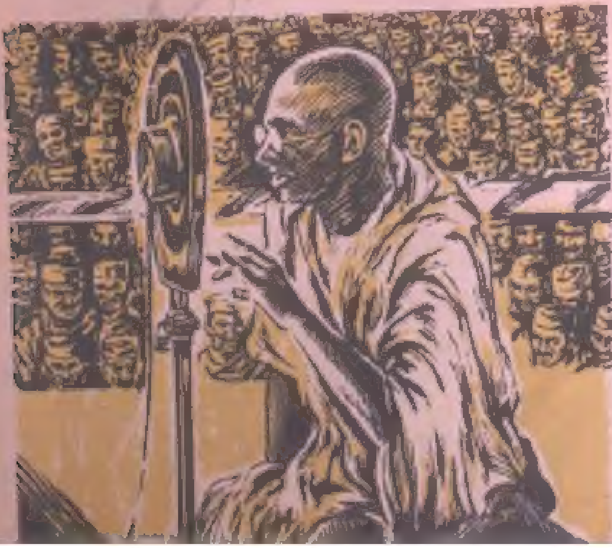

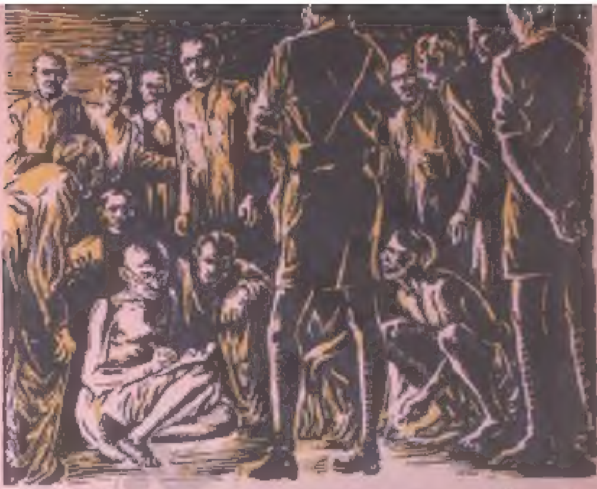

چیت کی اس میں تفصیل بتائی اور سمجھایا کہ وہ کیوں کامیاب نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا "اب بھی مجھے امید ہے کہ حکومت سے تعاون کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ اور اب بھی میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا کہ کوئی راستہ نکل آئے۔"

لیکن وائسرائے لارڈ ولنگڈن کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے نئے آرڈی ننس جاری کئے گئے۔ اور ہزاروں لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

کانگریس نے قوم کو ہدایت کی کہ وہ دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کردے ۴ جنوری سنہ ۳۲ء کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ان کی خاموشی کا دن تھا۔ انھوں نے لکھ کر لندن کے ساتھیوں اور دوستوں کو اس سلسلے میں آگاہ کیا اور ہدایات بھیجے۔

جیسے جیسے تحریک نے زور پکڑا حکومت کی سختی بڑھی اور سارے ملک میں دہشت پسندی کا راج ہو گیا۔ کانگریس اور اس سے متعلق دوسری تنظیموں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اور ان کی جو بھی املاک وغیرہ تھی سب ضبط کر لی گئی۔

حکومت کانگریسیوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کی املاک، عمارتیں چھاپے خانے وغیرہ سب ضبط کر لیتی تھی۔ جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

بقول مسٹر چرچل کے لئے زیادہ سخت قدم اٹھانے کی غدر کے بعد سے آج تک ضرورت نہیں پڑی تھی۔ سول نافرمانی کی تحریک ان سب سختیوں کے باوجود جاری رہی۔ گجرات اور یو پی میں ٹیکس بالکل ادا نہیں کئے گئے۔ جنگلوں میں درخت وغیرہ کاٹے گئے

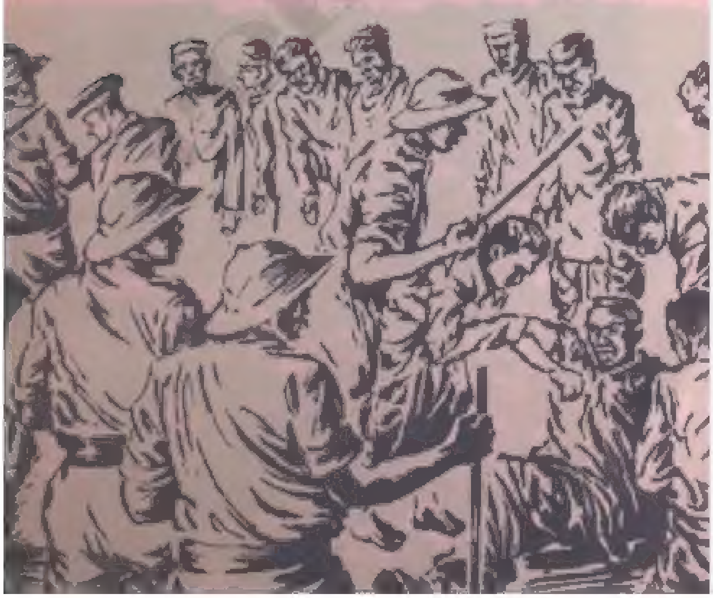

خدا کے پیارے بندے کا نام دیا۔ بعد میں انھوں نے اپنے ہفتہ وار اخبار کا نام بھی ہریجن رکھا۔ انھوں نے کہا: "جو لوگ سب سے زیادہ حقیر سمجھے جاتے ہیں دراصل وہی خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔"

انھیں سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ حکومت اچھوتوں کو عام ہندوؤں سے الگ کرنا چاہتی تھی۔ اور ان کو ایک الگ مذہبی گروپ قرار دے کر اسمبلی میں ان کو نمائندگی دینا چاہتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہندو قوم سے الگ رہیں گے اور انھیں سوسائٹی میں کبھی شامل نہ کیا جائے گا۔

لائبریری

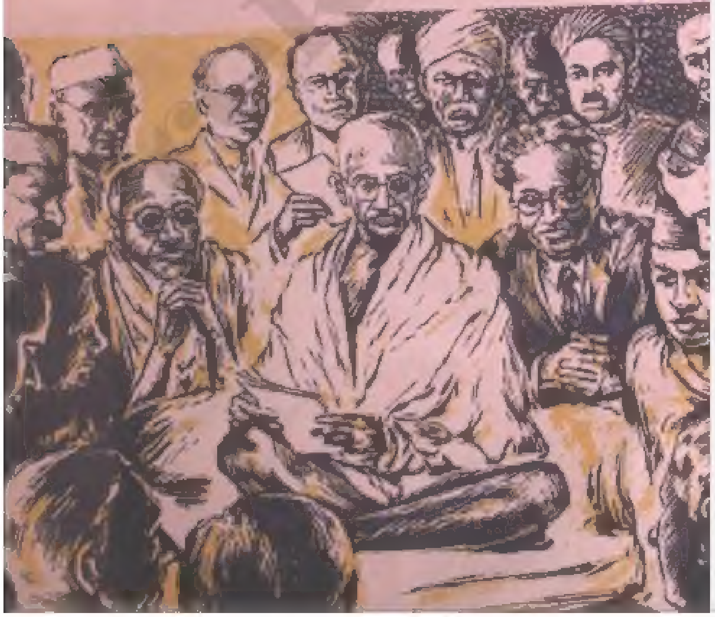

اور نمک پر حکومت کا قبضہ ہونے کے قانونوں کو توڑا گیا اور بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ جاری رہا۔ غیر قانونی جلسوں اور جلوسوں پر لاٹھی چارج ہوتے۔ اسپیشل پولیس مقرر کی گئی جو ایسے علاقوں میں جہاں سول نافرمانی ہوتی ہے گشت کرے۔ لوگوں پر بھاری جرمانے لگائے گئے۔ صرف جنوری ہی میں پندرہ ہزار آدمی گرفتار کیے گئے۔ سال کے آخر تک تقریباً سڑسٹھ ہزار لوگوں کو سزا دی گئی۔

جواہر لال نہرو تو پہلے ہی سے جیل میں تھے۔ کستوربا بھی گرفتار کر کے وہاں پہنچا دی گئیں۔

پہلے کی طرح اس بار بھی گاندھی جی نے جیل کا زمانہ مفید کاموں میں بسر کیا۔ اب ان کی پوری توجہ اچھوتوں کی طرف تھی یعنی بھنگیوں، خاک روبوں اور چمار وغیرہ کے مسئلے کی طرف جو مصیبتیں جھیلتے اور بدسلوکی کا شکار رہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے ہندو ان کو ذلیل سمجھتے تھے۔

گاندھی جی نے انھیں ہریجن یعنی

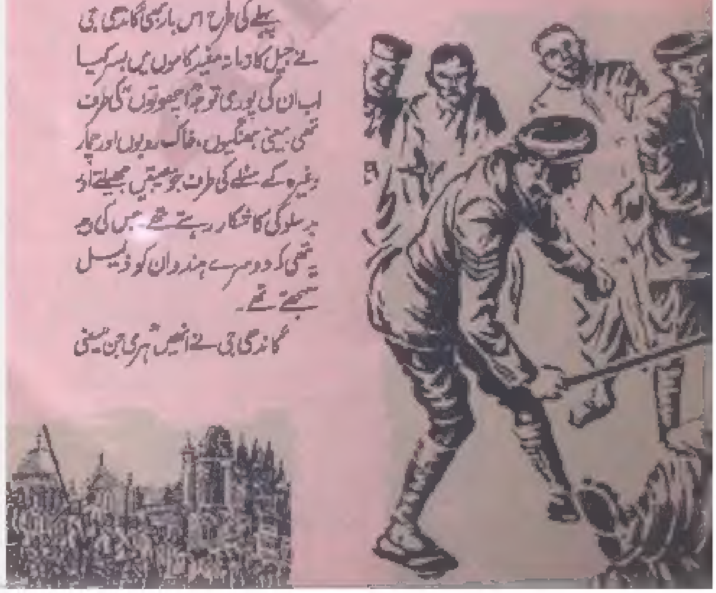

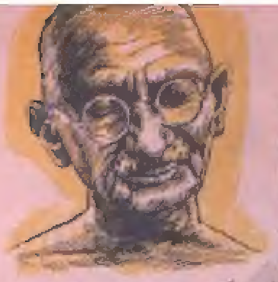

گاندھی جی نے سر سیموئل ہور کو لکھا کہ "یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے" مگر ان کی بات کی طرف انھوں نے ذرا بھی دھیان نہیں دیا اور حکومت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس پر گاندھی جی نے احتجاج کے طور پر، ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو مرن برت شروع کر دیا۔ حکومت نے گھبرا کر ان کے پاس یروودا جیل میں منتقل کر دیا۔

تیسرے دن ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ سب فرقوں کے لیڈر، جن میں ہری جن لیڈر ڈاکٹر امبیدکر بھی تھے مل کر بیٹھے۔ اس مسئلے پر غور کیا اور ایک سمجھوتا ہو گیا۔ گاندھی جی نے اس کو منظور کر لیا اور مشہور یروودا پیکٹ پر سب کے دستخط ہو گئے۔ حکومت کو بھی ان شرطوں کو ماننا پڑا اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا۔ ایک کانفرنس ہوئی جس میں رزولیوشن پاس کیا گیا "آج سے ہندوؤں میں کسی کو بھی اس بنا پر اچھوت نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ کسی خاص طبقے میں پیدا ہوا ہے۔"

گاندھی جی نے انگلستان میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ سب ہندو ایک ہیں اب اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے وہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا "اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک الگ طبقہ اچھوت کے نام سے قرار دیا جائے۔ سکھ ہمیشہ سکھ، مسلمان ہمیشہ مسلمان، یورپین ہمیشہ یورپین رہ سکتے ہیں مگر کیا اچھوت ہمیشہ اچھوت رہیں گے؟ میں چھوت چھات کے ہمیشہ باقی رہنے پر اس کو ترجیح دوں گا کہ ہندو دھرم مٹ جائے۔"

لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ انھوں نے یہ مہم اس لئے شروع کی تھی کہ ہر لحاظ سے اچھوتوں کو برابری کا درجہ ملے۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ اس معاملے میں خود ان کے پیروؤں میں بھی ایسے لوگ تھے جو ان کی تائید نہیں کر رہے تھے۔

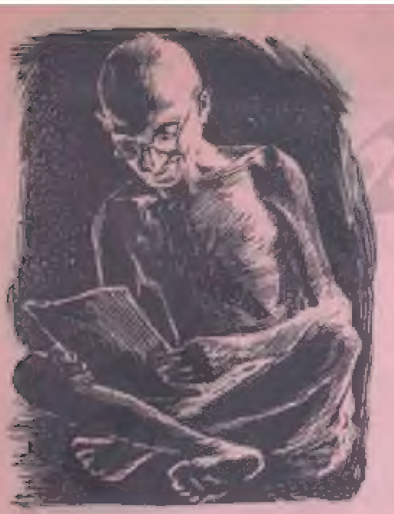

اس سلسلے میں انھوں نے اپنے ہفتہ وار اخبار "ہری جن" میں روزانہ مضمون لکھے ہری جن سیوک سنگھ قائم کی۔ جس نے بعد میں بہت مفید خدمتیں انجام دیں۔

کچھ عرصے سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے اور انھیں اس کا بہت دکھ تھا کہ لوگ ہری جنوں کے مسئلے کی طرف سے بے حس اور لاپروا ہیں۔ ۸ مئی ۱۹۳۳ء کو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آدھی رات کو ایک دم ان کی آنکھ کھل گئی اور ان کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے اندر سے کوئی آواز اٹھ رہی ہے جو کہتی ہے کہ وہ ۲۱ دن کا برت رکھیں اور کل ہی سے رکھیں۔ اس کے بعد گاندھی جی چپ چاپ سو گئے۔ اگلی صبح انھوں نے برت کا اعلان کیا ان کو کسی طرح بھی اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حکومت کو اندیشہ تھا کہ کہیں جیل میں گاندھی جی کی موت ہو گئی تو اسے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے اگلے ہی دن اس نے گاندھی جی کو رہا کر دیا۔

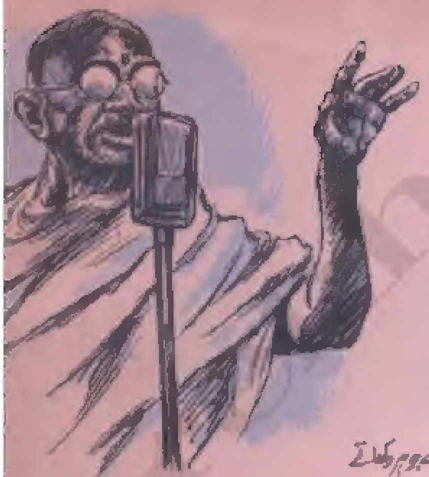

گاندھی جی ہندوستانی

عوام کے سامنے جو بڑے رہبر تھے ایسے جو لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے تھے کبھی ہندوستان میں ایسا شخص نہ ہوا تھا جسے خدا نے اتنی بہت سی صلاحیتیں ایک ساتھ عطا کی ہوں۔ لاکھوں ان پڑھ لوگ آسانی سے ان کی بات سمجھ جاتے اور دل سے ان کی پیروی کرتے تھے۔ گاندھی جی عام قسم کے سیاسی آدمی نہ تھے۔ عوام سے خطاب کرتے ہوئے وہ خطابت کے جوہر دکھاتے نہ ڈرامائی انداز اختیار کرتے تھے۔

وہ سننے والوں سے سیدھی سادی باتیں نرم لہجے میں کرتے اور ایسی دلیلیں دیتے جو سیدھی دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ اکثر صرف ان کے خلوص اور موقع کے مطابق بات کہنے سے لوگ بہت متاثر ہو جاتے۔ انھوں نے بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ لوگوں میں ایسی بیداری پیدا کر دی تھی کہ خود انگریز حیرت میں رہ گئے۔

وہ بہت اچھی انگریزی جانتے تھے اور بڑی بے تکلفی سے لکھتے اور بولتے تھے۔ انھیں

یہ برت ان کے لئے اکیس دن کی مسلسل عبادت تھا۔ اس برت سے انھیں مدد ملی کہ ذات پات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہندوؤں کو شرم دلائیں اور مذہب کی طرف سے ہریجنوں کے سلسلے میں جو رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی اس کا توڑ کریں۔

آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ گاندھی جی ہریجنوں کی مہم برابر چلاتے رہے۔ ان کے نزدیک آزادی کے معنی تھے اوہام سے نجات، جہالت سے نجات اور بدیسی حکومت کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا۔

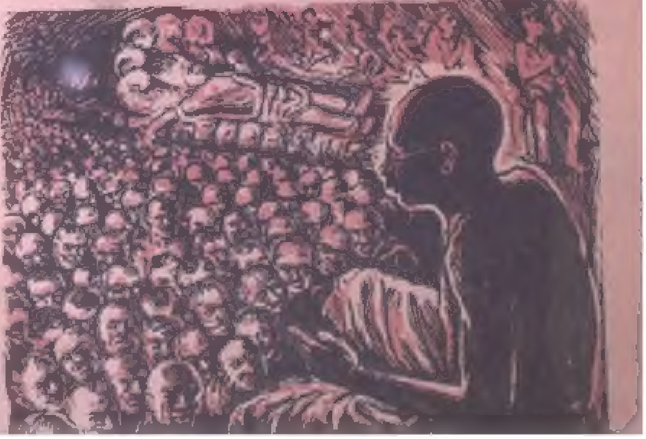

سادہ الفاظ میں، جو سننے والے کی بات ہر کسی
کی سمجھ میں آجائے۔ وہ جب بات کرتے
ہیں کہ گاندھی جی کو تقریر کرنے کی زبردست
قدرت تھی۔ ان سے بات کرنے والے لوگ
[illegible] جس میں ذرا بھی تصنع نہ تھا۔ [illegible]
انکی ہر بات سے سچائی [illegible] ہے

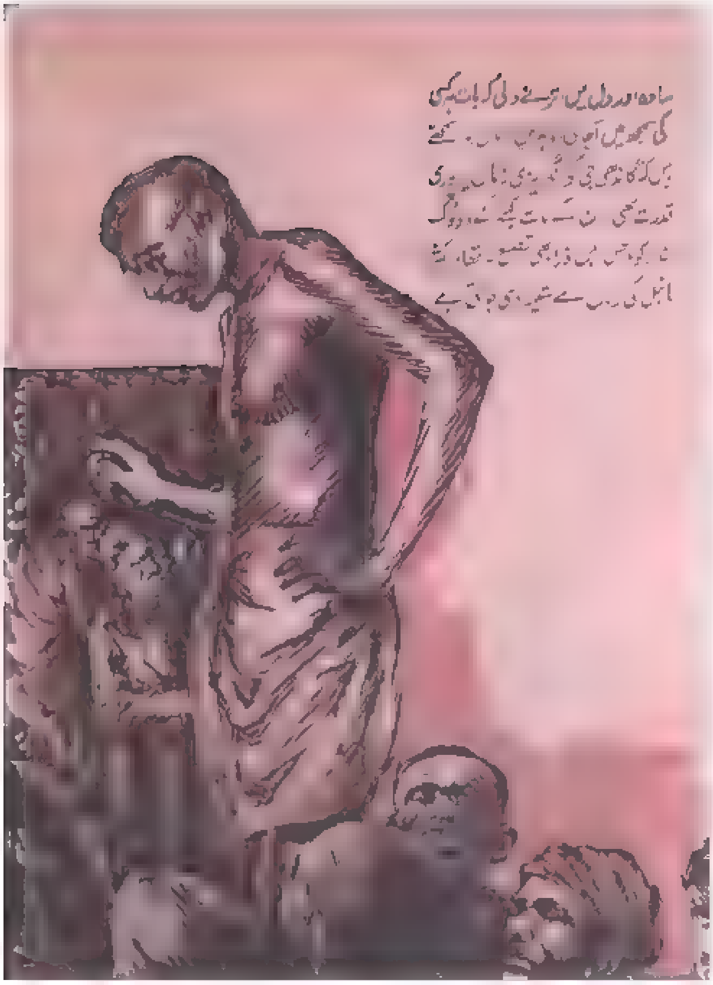

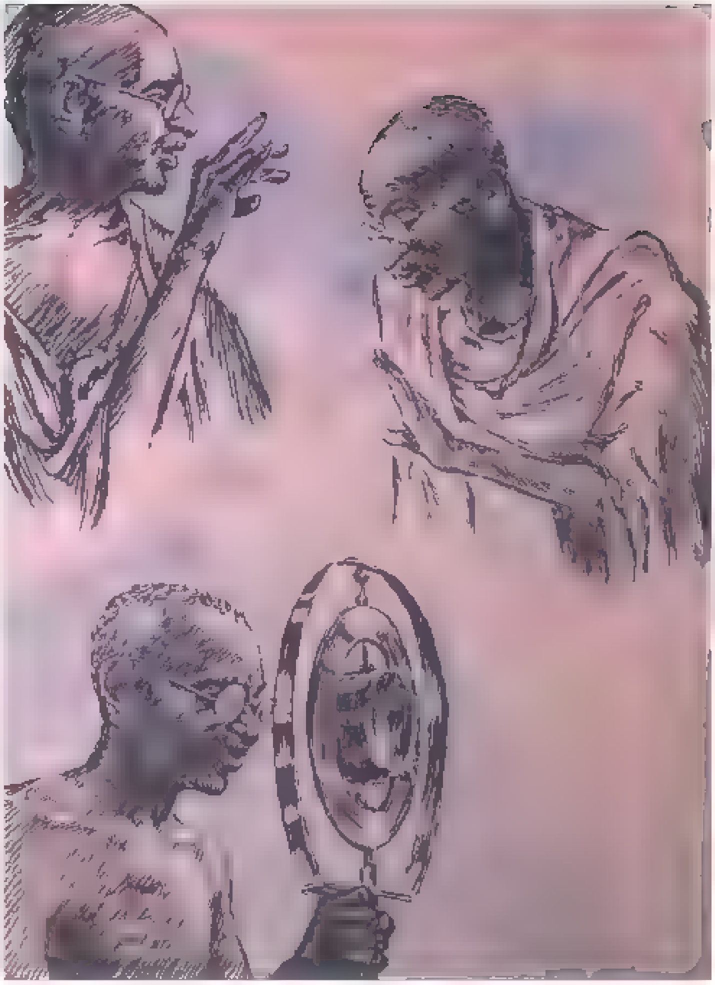

گاندھی جی نے جو برت رکھے وہ یا تو کفارے کے طور پر رکھے یا پھر اپنے عقیدوں کو جانچنے کے لیے، ورنہ لوگوں کو شرم دلانے کے لیے جو چھوا چھوت برتا کرتے تھے۔ باوجود کئی برت رکھنے کے، انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی تک لوگوں کے دل نہیں بدلے ہیں اور انھیں بدلنا ہے۔ جیسے ہی یرودا جیل سے رہا ہوئے اسی وقت انھوں نے نومبر ۱۹۳۳ء کو سارے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔

وہ جہاں بھی جاتے بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے جس کو اکثر گھنٹوں ان کا انتظار

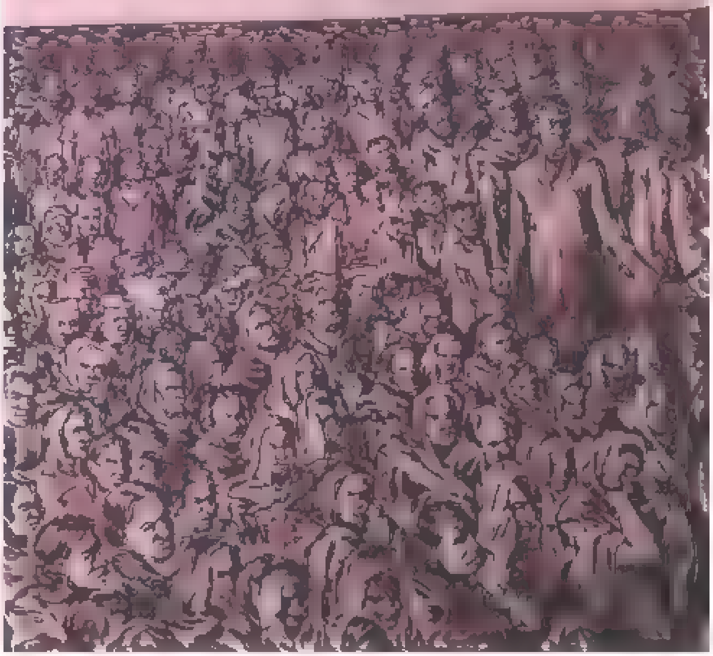

کرنا پڑتا تھا، پُر اثر تقریریں کرتے تھے۔ دس مہینے کے اندر اندر انھوں نے ہندوستان کے سارے بڑے بڑے شہروں اور کئی گاؤں کا دورہ کیا۔ ان کے اس عظیم مقصد کے لیے لوگ انھیں دل کھول کر چندہ دیتے تھے۔ اس طرح آٹھ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا جو زیادہ تر غریب لوگوں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر دیا تھا۔ اکثر عورتیں اپنے بدن کے زیور تک اتار کر پیش کر دیتی تھیں

گیت گائے جانے لگے کہ ہریجن ہمارے بھائی ہیں۔ قدامت پرست ہندو ہریجنوں کے ساتھ بیٹھ کر دعوتیں کھاتے تھے۔ کئی اداروں نے ہریجنوں کے لیے مفت تعلیم کا انتظام کیا۔ وہ اسکولوں اور مندروں کے دروازے جو اب تک ان پر بند تھے ہریجنوں کے لیے کھول دیے گئے۔

گاندھی جی نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہریجنوں کو صفائی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ تبھی دوسرے ہندو انھیں اپنے

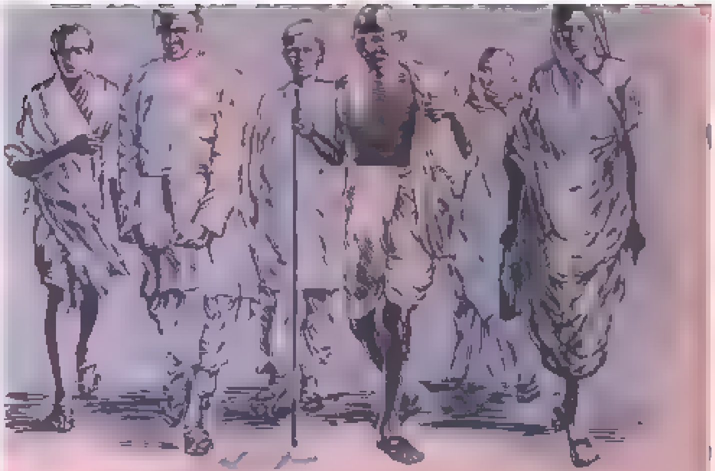

یں شامل رہیں گے بڑے صبر کے ساتھ انھوں نے ان کو صاف ستھری زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے۔ جس دن وہ پیخانے صاف کرتے تھے تو دوسرے دن پھر گندے ہو جاتے تھے ہریجنوں کے لئے ضروری تھے۔ ان کو بہت سی مشکلوں سے نبٹنا۔ بہت سی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ہری جن لیڈروں پر شک کرتے تھے مگر گاندھی جی نے کسی بات کی پروا نہیں کی اور یہ مہم جاری رکھی۔ اس مہم سے ملک میں سوچنے کا ایک نیا انداز پیدا ہو گیا۔

جنوری ۱۹۳۴ میں بہار میں ایک خوفناک زلزلہ آیا جس میں ہزاروں آدمی مر گئے۔ مدد اور بحالی کے کام کی سخت ضرورت تھی، خاص کر گاؤں میں۔ جب گاندھی جی نے یہ تباہی دیکھی تو انھیں محسوس ہوا کہ ملک اسی وقت بدل سکتا ہے جب گاؤں کی حالت بدلے اور ان کو اصلاح اور ترقی کا مرکز بنایا جائے۔

اکتوبر میں انھوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور دل و جان سے گاؤں سدھار کے کام میں لگ گئے۔ اب وردھا کا نیا آشرم ان کا صدر مقام تھا۔ ونوبا بھاوے، مہادیو دیسائی، میرا بہن اور کستوربا کے ساتھ انھوں نے دیہاتی صنعتوں کو زندہ کرنے،

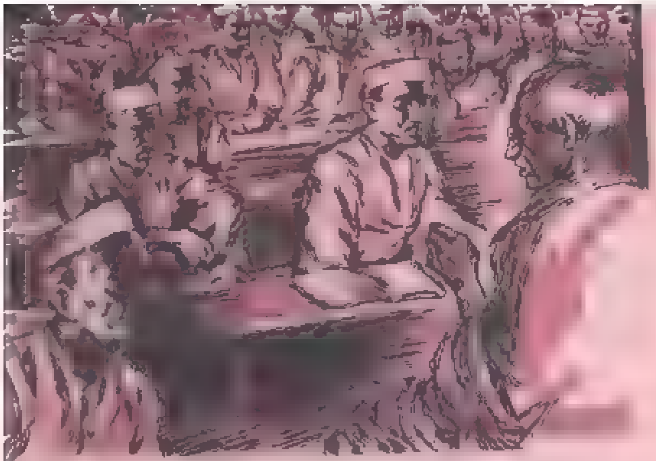

گاؤں کی صفائی اور پینے کے لئے گڑھے کھودنے کی مہم چلائی۔

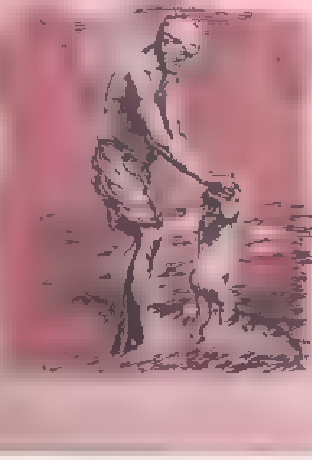

اس کے بعد دسمبر ۱۹۳۶ میں کانگریس کا سیشن فیض پور گاؤں میں ہوا۔ جواہر لال نہرو اس کے صدر چنے گئے۔ ان سب باتوں کا اثر پڑا اور گاؤں کی ترقی اور سدھار کا راستہ ہموار ہوا۔ ۱۹۳۷ میں الیکشن میں کانگریس کو بڑی شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ سات صوبوں میں اس کی اکثریت تھی اور بعد میں دو اور صوبوں میں دوسروں سے مل کر اس نے حکومت بنائی۔ اس طرح گیارہ میں سے نو صوبے اس کے پاس آ گئے۔

گاندھی جی نے تعلیم کے میدان میں اصلاحات کیں۔ انہوں نے تجویز رکھی کہ اسکولوں میں ہاتھ کے کام کو تعلیم کا ذریعہ بنانا بہت ضروری ہے۔ اسی کے لئے وردھا میں آل انڈیا نئی کانفرنس کی گئی جس نے ان کے خیالات کو اپنایا۔ مسلسل محنت کی وجہ سے پھر ان کی صحت گر گئی۔ اس کو ٹھیک کرنے کے لئے بمبئی میں جوہو کے کنارے جا کر رہنا پڑا۔ جوہو تٹ پر بچوں کے ساتھ کھیلنا ان کا محبوب شغل تھا۔

گاندھی جی نے جن لوگوں کی رہبری کی، ان میں بڑا نام تھا خان عبدالغفار خان کا، جن کو سرحدی گاندھی کہا جاتا ہے، جنہوں نے

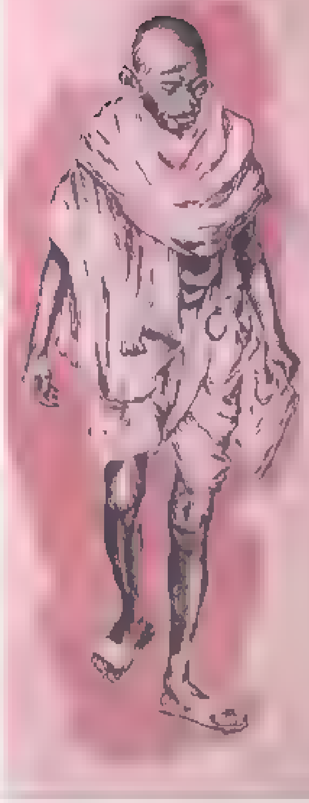

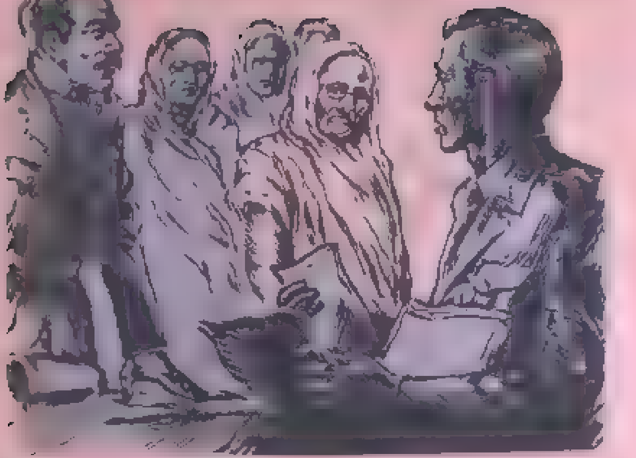

پوری طرح اپنا لیا تھا اور ایک امن کی فوج بنائی تھی جو سرخ پوش کہلاتے تھے۔ گاندھی جی کو بادشاہ خان سے بڑی محبت تھی اور وہ سرخ پوشوں کی خدمت اور اہنسا کو اپنانے سے بہت متاثر تھے۔ اگرچہ کانگریس اب بھی گاندھی جی سے صلاح مشورہ لیتی تھی لیکن اس کی لیڈرشپ اب دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ اس لئے گاندھی جی اب دوسرے معاملوں کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ دیسی ریاستوں کے لوگ بھی اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ ہنگامے راجکوٹ میں ہوئے جہاں کے ٹھاکروں کو ہٹانے کے لئے دوسری ریاستوں کے لوگ بھی مدد دے رہے تھے۔ پہلے سے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور ٹھاکروں کے درمیان اس سلسلے میں ایک معاہدہ ہوا تھا مگر ٹھاکروں نے اس کی کوئی پروا اور پابندی نہیں کی۔ سوراج کی تحریک کو ظلم و ستم کے ساتھ کچلا جا رہا تھا۔ باہر والوں کو ریاست کے معاملے کی ممانعت تھی۔ اس زمانے میں گاندھی جی کی طبیعت

خبر تھی کستوربا راجکوٹ کی رہنے والی تھیں اور وہ اس مہم میں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جاکر شریک ہونے پر اصرار کر رہی تھیں۔ ان کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو وہ راجکوٹ میں داخل ہوئیں اور فوراً گرفتار کرلی گئیں۔ یہ خبر سننے کے بعد کئی جگہ پولس اور عوام میں ٹکر ہوئی اور بہت سے لوگ گرفتار کرلیے گئے۔ گاندھی جی نے اپنی بیماری کو سب سے چھپایا اور راجکوٹ روانہ ہوگئے۔ انھوں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سمجھوتہ ہوجائے مگر ٹھاکر اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ ۳ مارچ کو انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مرن برت رکھیں گے۔ ان کے دوستوں، ساتھیوں اور عقیدتمندوں کو سخت پریشانی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ ۵ مارچ کو کستوربا کو انھیں دیکھنے کے لیے لایا گیا۔ گاندھی جی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کی عورتوں کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان کو رہا نہیں کیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے کستوربا کو واپس بھیج دیا اور کہا کہ وہ ہرگز کوئی رعایت قبول نہ کریں۔

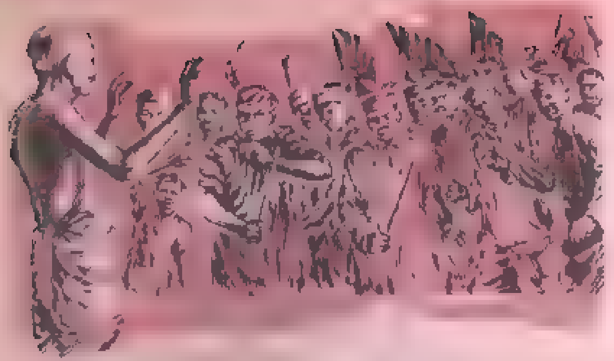

ان کی حالت بہت نازک ہوگئی تھی۔ ایک گھونٹ پانی تک نہ پی سکتے تھے۔ وائسرے نے سر موریس گائر سے جو اس وقت چیف جسٹس تھے کہا کہ وہ ثالث بن کر کوئی سمجھوتہ کرادیں۔ اس پر ٹھاکروں کو راضی ہونا پڑا اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا۔

سر موریس گائر نے دیکھا کہ ٹھاکر صاحب نے جو سمجھوتہ پہلے کیا تھا اس کی ذرا بھی پابندی نہیں کی گئی۔ چنانچہ ایک نیا معاہدہ کیا گیا اور اس پر دستخط ہوگئے۔

مگر ٹھاکر نے معاہدہ کی شرطوں کی اب بھی پابندی نہیں کی بلکہ اس نے گاندھی جی کے خلاف ایک نئی مہم شروع کردی۔ ایک پرارتھنا سبھا میں جس میں گاندھی جی خود خطاب کرنے کے لیے بیٹھے گئے تھے انھوں نے سیاہ جھنڈیاں ہلائیں [illegible] گاندھی جی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ گاندھی جی نے اپنے دوستوں کی یہ بات نہیں مانی کہ وہ ان کو اپنے حلقے میں لے کر حفاظت کریں۔ مخالف جتھوں کا ایک لیڈر ان کے پاس [illegible] جیسے ہی وہ کھڑے ہوئے اچانک ان کی پیٹھ میں سخت درد اٹھا۔ انھوں نے آنکھیں بند کرلیں اور خدا سے دعا کی کہ وہ ان کو برداشت کی طاقت دے۔ ذرا دیر میں ان میں قوت آ گئی

انھوں نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے دشمنوں سے کہا، کہ وہ اس کو مجمع کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں ... انھوں نے مونیوں کے لیڈر سے کہا کہ میں حاضر ہوں جو چاہے کرو۔ گاندھی جی کی روحانی قوت دیکھ کر تشدد کا جذبہ برف کی طرح پگھل گیا۔ لیڈر نے گاندھی جی سے اجازت چاہی کہ وہ انھیں سہارا دے کر ان کو گھر تک پہنچا دے۔ اس شام وہ اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ گھر کی طرف چلے آ رہے تھے جو ان کو مارنے کے لیے آیا تھا۔

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ وائسرائے نے قوم کے لیڈروں سے پوچھے بغیر ہی ہندوستان کے جنگ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ کانگریس نے جو جرمنی کی توسیع پسندی اور قابل ملامت [illegible] کہا کہ جنگ میں شرکت کا فیصلہ ہندوستانی عوام کے مشورے سے ہونا چاہیے تھا۔ یہ بات صاف طور پر کہی گئی کہ صرف آزاد ہندوستان ہی اپنی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے اگر برطانیہ

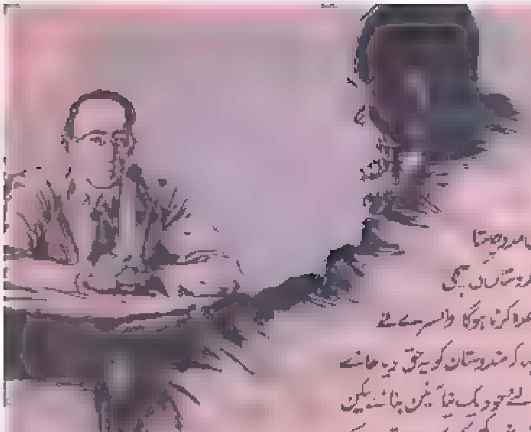

ہندوستان کی مدد چاہتا ہے تو اسے ہندوستان کی بھی آزادی کا وعدہ کرنا ہوگا۔ وائسرائے نے ۱۹۴۰ء میں کہا، کہ ہندوستان کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنے لیے خود ایک نیا آئین بنائے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ دیسی ریاستوں کے حکمراں اور مسلمان بھی اسے منظور کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ پیش کش ٹھکرا دی گئی۔ انفرادی ستیہ گرہ شروع کر دی گئی جو لیڈروں کے گرفتار ہونے کے بعد لوگ بہت کثرت سے اس کی تحریک میں شامل ہونے لگے۔ سب گاندھی جی کا یہ قول دہراتے رہتے تھے انگریزوں کی جنگی کوششوں میں آدمی یا روپیے سے مدد کرنا غلط ہے اس کی اصلی مدد یہ ہو سکتی ہے کہ جنگ کا مقابلہ اہنسا کے ذریعہ کیا جائے۔ چند مہینوں کے اندر اندر بیس ہزار آدمیوں کو سزا دے کر جیل بھیج دیا۔ ایک وقت میں چودہ ہزار آدمی تک جیل میں ٹھونس دیے گئے۔

جب جاپان کے حملہ کا خطرہ سر پر آ گیا تو انگریزوں نے سوچا کہ کچھ سمجھوتہ ہونا ہی چاہیے۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس کو جو برطانیہ کی حکومت کے وزیر تھے ایک تجویز کے ساتھ ہندوستان کے لیڈروں کے پاس بھیجا گیا۔ کرپس مشن ناکام ہوا۔

گاندھی جی نے کہا، میں نے اس تجویز کے متعلق جو وہ حکومت برطانیہ کی طرف سے لا رہے تھے افواہیں سنی تھیں لیکن اس کا مسودہ نہیں دیکھا تھا جب وہ انھوں نے مجھے دیا تو ایک نظر ڈالتے ہی میں نے کہا، اگر یہی تجویز تھی تو آپ کو ہندوستان آنے کی ضرورت نہ

تھی۔ یہ مشورہ سب کو پسند نہیں ہوا۔ جو دوست اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ کرپس نے جواب دیا۔ ”جی ہاں میں اس پر غور کروں گا۔“

دوسرے لیڈروں کو بھی اس سے بہت مایوسی ہوئی۔ اس نئی تجویز میں ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر ریاست کو یہ اختیار دیا گیا تھا وہ چاہے تو نئے آئین کو نہ مانے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان میں ہمیشہ پھوٹ رہے اس کے علاوہ ہندوستانیوں کو حکومت کا پورا اختیار بھی نہیں دیا گیا تھا۔

یہی موقع تھا جب گاندھی جی کو ہندوستان چھوڑو کی بات سوجھی۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ ”کرپس مشن کی ناکامی تھی جس نے یہ خیال میرے دل میں پیدا کیا۔ وہ شملہ سے باہر نکلے بھی نہ تھے کہ یہ خیال میرے من میں جاگ اٹھا۔ یہ احساس جو میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ہمیں کرپس کی تجویز کا بھرپور جواب دینا چاہیے۔“

۱۴ جولائی ۱۹۴۲ء کو وردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اور اس میں ہندوستان چھوڑو ریزولیوشن پاس ہو گیا۔ اسے خود گاندھی جی نے مرتب کیا تھا۔ اس ریزولیوشن میں مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا فوراً خاتمہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہوا تو کانگریس وہ ساری اہنسا کی قوت جو اس نے ۱۹۲۰ء سے اب تک جمع کی ہے اس کے خلاف استعمال کرے گی تاکہ وہ اپنا یہ حق ثابت کر سکے کہ اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا خود اس کا کام ہے۔

۸ اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس گوالیا ٹینک میدان میں ہوا اور اس نے ہندوستان چھوڑو ریزولیوشن کی پوری تائید کی۔ اس نے ملک سے کہا کہ وہ ایک عوامی جدوجہد بہت بڑے پیمانے پر شروع کرے جس میں اہنسا کے طریقوں سے کام لیا جائے۔ جدوجہد گاندھی جی کی رہنمائی میں کی جائے۔ گاندھی جی نے میٹنگ میں فرمایا: ”اس جدوجہد میں میں نے آپ کی رہنمائی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ مگر میں آپ کا سپہ سالار نہیں، حاکم نہیں بلکہ آپ سب کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ خدمت کرتا ہے وہی سردار ہوتا ہے۔“

یہ ایک بڑا اہم موقع تھا جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اس مشہور

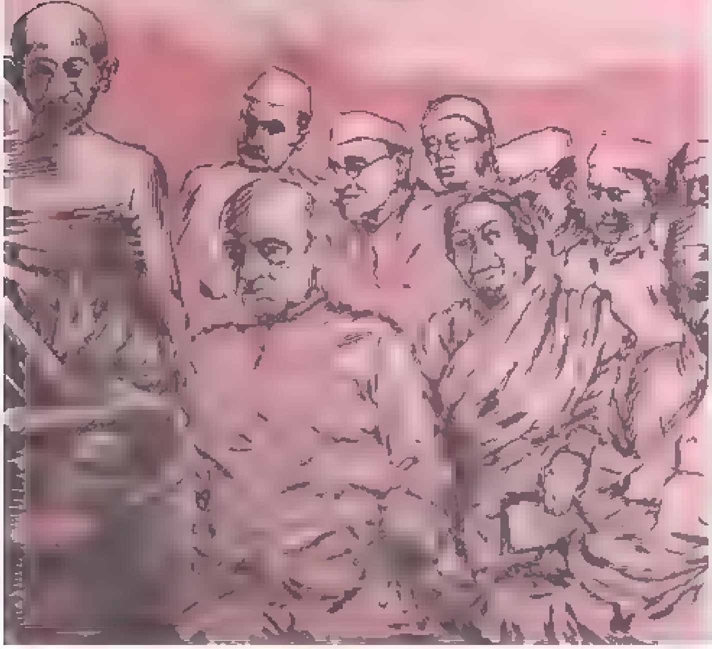

جلسے میں ملک کے سارے بڑے لیڈر موجود تھے۔ کچھ ایسے مقرر تھے جنھوں نے پہلے ہی استعفے دیئے تھے۔ اب ساری کانگریس لڑنے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے تیار تھی۔ پنڈال کے باہر بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ پھر بھی ساری قوم نے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں۔

ہر ایک اپنے لیڈروں کے ہر کام سے پیار کرتا تھا اور اس کے لئے تیار تھا کہ جو حکم ملے اسے بجا لائے۔ لیکن گاندھی جی نے ابھی تحریک شروع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا کہ انگریز

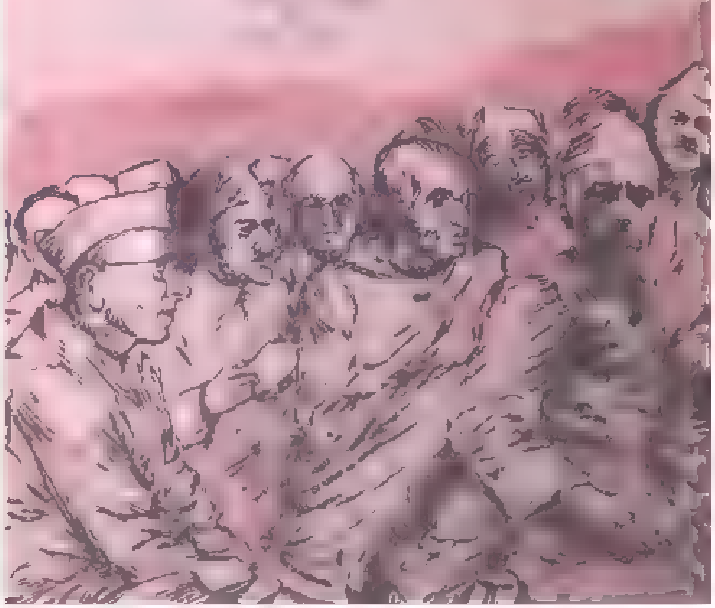

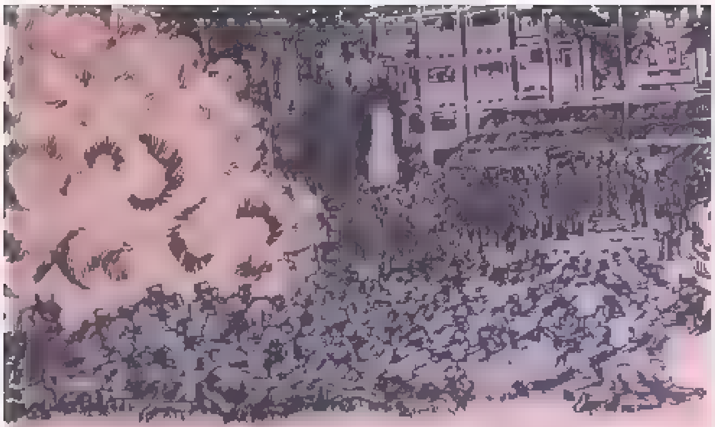

حکومت ہندوستانیوں کو چین سے نہ بیٹھنے دینا چاہتی تھی۔ اس نے بغیر کسی وجہ کے حکم دے دیا کہ آنسو گیس چھوڑی جائے تاکہ مجمع بکھر جائے اور لوگوں کے دلوں میں خوف بیٹھ جائے۔ گویا یہ ایک تنبیہ بھی تھی کہ جو لوگ اس جدوجہد میں شریک ہوں گے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا جائے گا۔

اگلے دن صبح ہی حکومت نے گاندھی جی اور دوسرے تمام ممتاز ممبروں کو گرفتار کر لیا۔ گاندھی جی کو پونا میں آغا خاں پیلیس میں رکھا گیا جہاں وہ دو برس قید رہے۔ ان کے ساتھ کستوربا بھی تھیں۔

گاندھی جی کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی سارے دیش میں بغاوت پھیل گئی۔ تشدد پسند اور دوسرے لوگ جو کانگریس میں شامل نہ تھے اس بغاوت میں شریک تھے۔ حکومت نے اس بغاوت کو وحشیانہ ظلم و ستم کے ساتھ کچلا۔ نہتے لوگوں کو بے رحمی سے مارا پیٹا۔ بندوقوں کا بے تکان استعمال ہوا۔ جن کو پکڑا جاتا ان کو کوڑے مارے جاتے اور بغیر کوئی مقدمہ چلائے ان کو برسوں کال کوٹھری میں ڈال دیا جاتا تھا۔

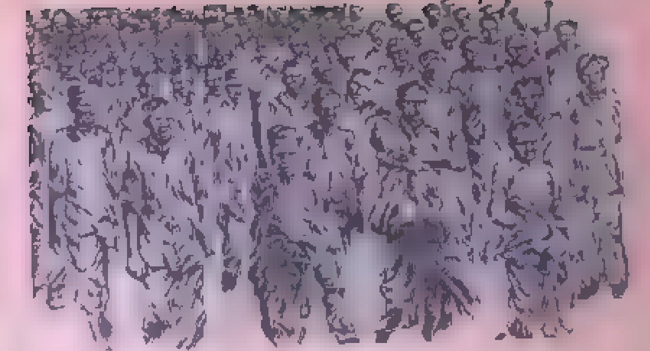

حکومت نے اس سارے ہنگامے اور تشدد کا الزام جو ان کے اور دوسرے لیڈروں کی گرفتاری کے بعد پھیلا تھا گاندھی جی اور کانگریس کے سر رکھ دیا۔ گاندھی جی نے اس جھوٹے الزام کے بارے میں وائسرائے کو لکھا اور کہا کہ ان کو قید سے چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ ملک میں امن و امان قائم کر سکیں گے۔ وائسرائے نے جواب ہی نہیں دیا۔

دسمبر میں دوبارہ گاندھی جی نے انہیں خط لکھا اور اصرار کیا کہ الزامات کو ثابت کیا جائے ایسا نہ ہوا تو وہ مجبوراً ستیہ گرہ کا طریقہ اختیار کریں گے یعنی فاقے سے جسم کو اذیت دینا۔"

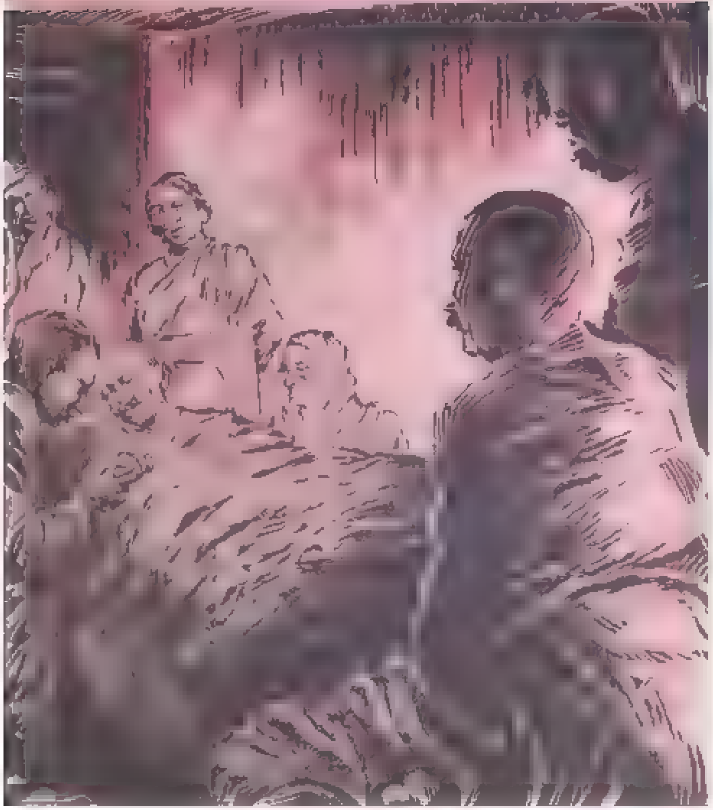

"تمہیں فاقہ کر کے مرنا نہیں ہوتا" انھوں نے کہا۔ "بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ خدا مجھے [illegible] کے بعد زندہ رکھے"۔ ۱۰ فروری ۱۹۴۳ء کو شروع کے بعد انھوں نے ۲۱ دن کا برت شروع کیا ہوا تھا۔

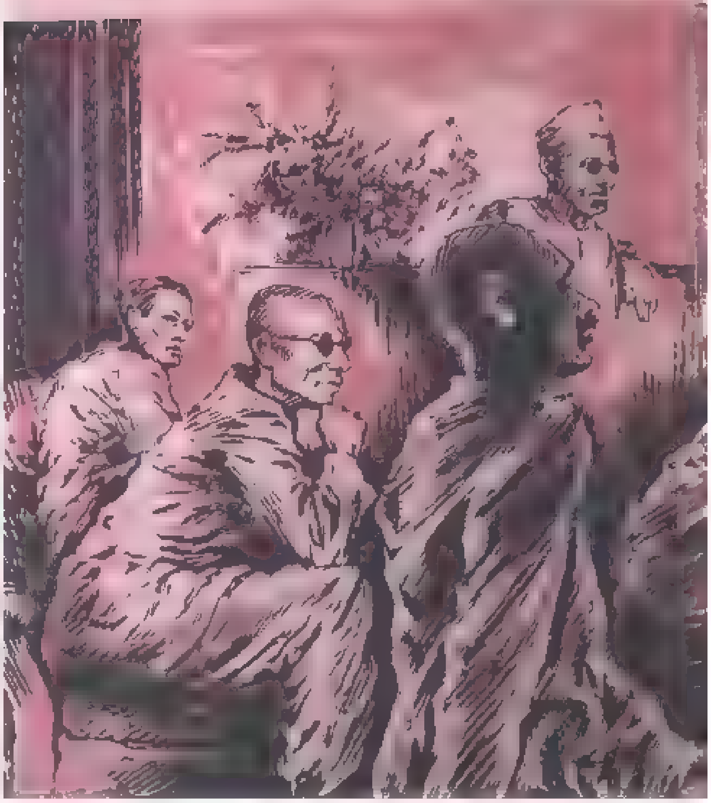

ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے اور نبض بھی ٹھیک سے نہیں آتی تھی۔ دو دن بعد تو ڈاکٹروں کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ زندہ نہ بچیں گے۔

سارے ملک میں سخت غم و غصہ پھیلا ہوا تھا۔ جلوس نکالے جا رہے تھے۔ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔

بہت سے انگریزوں نے بھی، جن میں ممتاز لوگ بھی شامل تھے، حکومت سے سختی کے ساتھ یہ بات کہی کہ وہ یہ سب ظلم نہ کرے۔ برنارڈ شا نے سخت ملامت کی اور بادشاہ کی کیبنٹ کو "گر مجنوں حکومت" کا نام دیا۔ لیکن چرچل اب بھی بس پر اڑا ہوا تھا کہ مظاہرہ کرنے والوں پر پولیس کے مظالم جاری رہیں۔

سرکاری ریکارڈوں کے مطابق پولیس نے چار سو سے زائد بار گولی چلائی اور فوج نے [illegible] بار۔ دسمبر ۱۹۴۲ء تک ساٹھ ہزار ہندوستانیوں کو گرفتار کیا گیا اور ان میں ہزاروں ہی برسوں تک جیل میں پڑے رہے۔ پھر کیا حیرت کی بات ہے کہ گاندھی جی نے اس حکومت کی حرکتوں کو درندوں کی سی حرکتیں کہا۔

گاندھی جی بچ گئے اور سب نے شکر ادا کیا۔ ۳ مارچ کو کستوربا کے ہاتھ سے سنترے کے رس کا گلاس لے کر انھوں نے برت ختم کیا۔

۱۹۴۳ء کے آخر میں بنگال میں سخت کال پڑا۔ کم سے کم پندرہ لاکھ آدمی اس میں مر گئے۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ رہا ہو کر قحط زدہ لوگوں کی خدمت کریں۔ مگر ان کی خواہش ٹھکرا دی گئی اور ان کو رہا نہیں کیا گیا۔ کستوربا جو گاندھی جی کے ساتھ آغا خاں پیلیس میں تھیں اب بستر مرگ پر تھیں۔ نومبر میں دوبارہ ان پر دل کا حملہ ہوا مگر حکومت نے انھیں رہا نہیں کیا۔

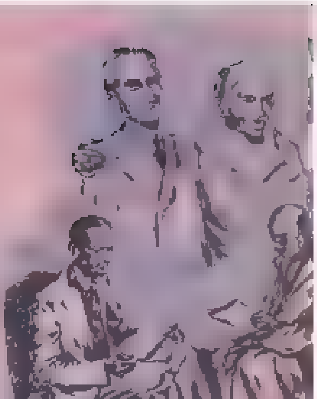

۲۲ فروری ۱۹۴۴ء کو ۷۴ سال کی عمر میں وہ خدا کو پیاری ہو گئیں۔ وہ بہت سے اوصاف کی مالک تھیں۔ ساٹھ برس سے کچھ زیادہ وہ گاندھی جی کی رفیق رہیں۔ جیل میں ان کی موت کی خبر سن کر پورے ملک میں غم و غصہ پھیل گیا۔ محل کے احاطے میں سو کے قریب دوست احباب ان کے داہ سنسکار میں شریک ہوئے، وہاں عورتیں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ لوگوں کے دل میں جو ان کی گہری عقیدت تھی اس کے اظہار کے لئے ان کی یادگار کے لئے لاکھوں کا فنڈ جمع کیا گیا اور اس روپے کو دیہات کی عورتوں اور بچوں کی بھلائی کے کاموں کے لئے وقف کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد گاندھی جی بیمار پڑ گئے۔ نئے وائسرائے لارڈ ویول نے ۶ مئی کو ان کو رہا کر دیا۔

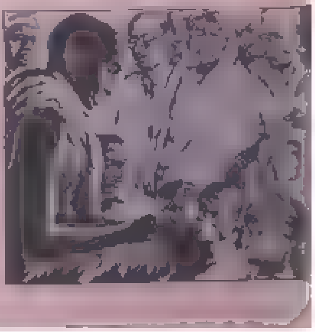

تندرست ہونے اور کچھ دن آرام کرنے کے فوراً ہی بعد گاندھی جی نے وائسرائے سے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات پر بات چیت شروع کر دی پھر وہ مسٹر جناح سے ملے اور کوشش کی کہ ان سے کوئی ایسا حل نکالیں جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اس کوشش میں ان کے ساتھ راجگوپال آچاریہ بھی شریک تھے

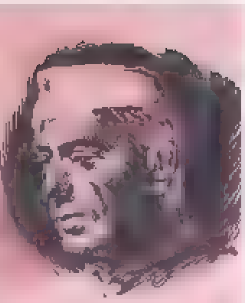

سارا ہندوستان بڑے اشتیاق سے اس بات چیت کے نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس پر قوم کے مستقبل کا دارومدار تھا مگر بات چیت کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے بعد کتنی ہی بار بات چیت ہوئی۔ مسلم لیگ جس کے لیڈر مسٹر جناح تھے، اس بات پر اڑی ہوئی تھی کہ ایک الگ ریاست پاکستان کے نام سے بنائی جائے۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے اپنے تین وزیروں کو ہندوستان بھیجا کہ وہ ایک ایسا آئین تیار کریں جس کی مدد سے ہندوستان اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کر سکے

۲ ستمبر کو ایک عارضی حکومت قائم ہوئی جس کے پرائم منسٹر جواہر لال نہرو مقرر ہوئے ظاہر ہے کہ گاندھی جی کا مشورہ ہر قدم پر لیا جاتا رہا۔

مسلم لیگ کا دعویٰ تھا کہ کیبنٹ کے لئے جو مسلمان وزیر چنے جائیں انہیں صرف وہی نامزد کر سکتی ہے۔ جناح صاحب نے تعاون کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ لیگ اس سے پہلے ۱۶ اگست کو ڈائرکٹ ایکشن ڈے منا چکی تھی جس میں اس نے اپنی پارٹی کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ ۲ ستمبر کو کالے جھنڈے لہرا کر خفگی کا اظہار کریں۔

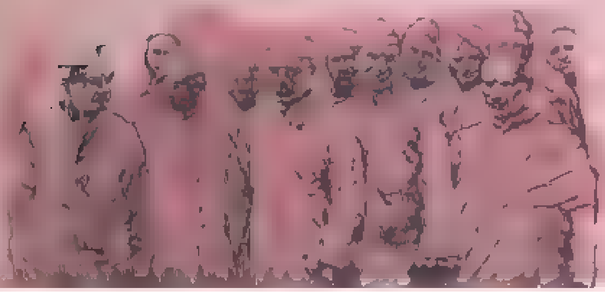

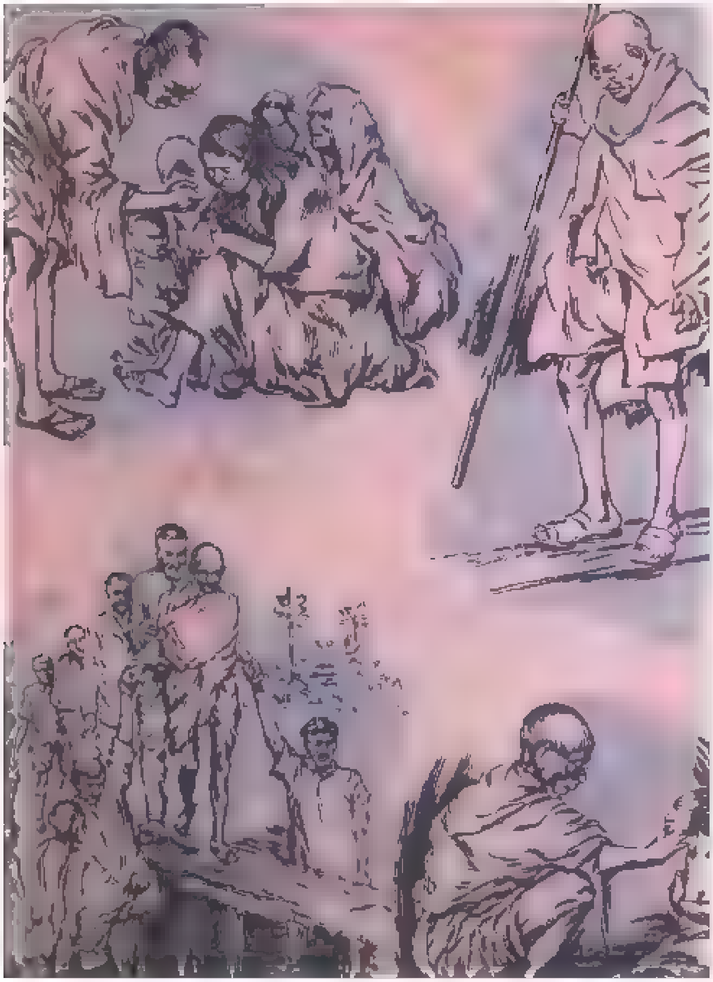

۱۶ اگست کو کلکتہ میں فساد ہوئے جس میں پانچ ہزار کے قریب آدمی مارے گئے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جھگڑے فساد شروع ہو گیا۔ گاندھی جی فوراً کلکتہ روانہ ہوئے تاکہ امن و امان قائم کرنے کی کوشش کریں۔

بعد میں کسی طرح مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہو گئی۔ نہرو جی و مسلم لیگ کے ایک وزیر عبدالرب نشتر نے بھی کلکتہ کا دورہ کیا۔

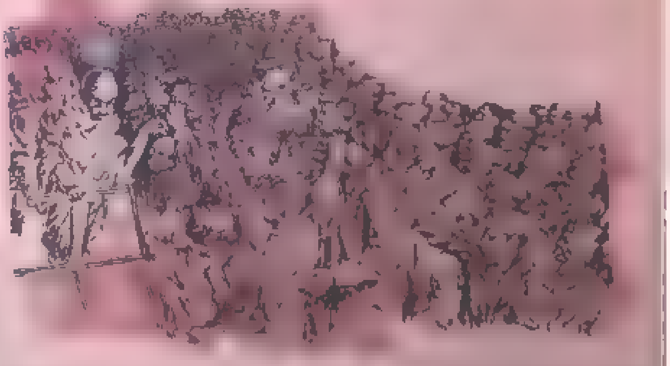

گاندھی جی کلکتہ میں تھے کہ خبر آئی کہ بنگال میں نواکھلی اور ٹپیرا میں بھی فساد ہو گیا ہے جس میں ہندو مارے گئے ہیں۔ یہ بات کہ گاؤں میں بھی یہ شرمناک ظلم ہونے لگے، گاندھی جی کو سب سے زیادہ دکھ ہوا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر نفرت دیہات میں بھی پھیل گئی تو قوم کی تباہی یقینی ہے۔ اگرچہ ان کی صحت خراب تھی مگر وہ نواکھلی روانہ ہو گئے۔

نومبر ۱۹۴۶ء سے مارچ ۱۹۴۷ء تک انہوں نے انچاس گاؤں کا پیدل دورہ کیا۔ اکثر وہ ننگے پاؤں راستے طے کرتے تھے اس لئے کہ یہ یاترا وہ اس ظلم اور تشدد کے کفارہ کے لئے کر رہے تھے جو سارے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔

جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ بہار میں فساد شروع ہو گیا ہے اور وہاں مسلمان مارے جا رہے ہیں تو وہ ان کی مدد کے لئے بہار روانہ ہو گئے۔

اس سے پہلے ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکا گیا تھا۔ ان بموں سے نکلا دھواں چھتری کا سا بادل بنا جو ہزاروں میل دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ جاپان کے یہ دونوں شہر بالکل تباہ و برباد ہو گئے اور جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس موقع پر گاندھی جی نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا: "اب صرف عدم تشدد ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہی ایک چیز ہے جسے ایٹم بم برباد نہیں کر سکتا۔۔۔"

یہ بات دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی کہ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے سائنس داں آئن سٹائن نے گاندھی جی کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا: "آنے والی نسلیں مشکل سے اس بات کا یقین کر سکیں گی کہ گوشت پوست کا بنا ایک انسان کبھی اس زمین پر چلتا پھرتا تھا۔"

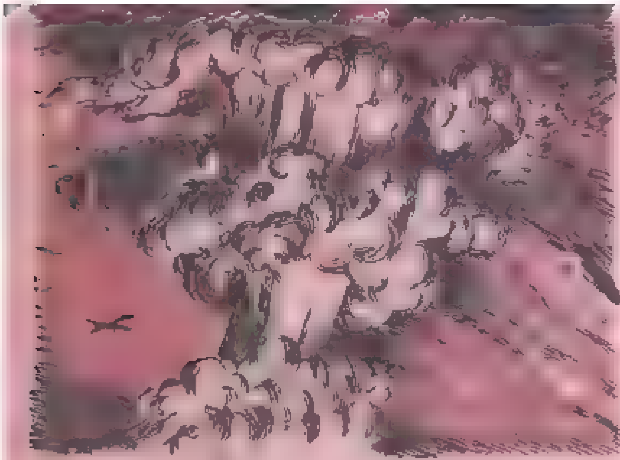

۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو دلی میں ایشیائی ریلیشنز کانفرنس ہوئی۔ گاندھی جی سے درخواست کی گئی کہ اس میں تقریر کریں۔ اس میں ایشیا کے بہت سے ملکوں اور سوویت یونین کی ایشیائی ریاستوں کے نمائندوں نے شرکت کی اور مل بیٹھ کر بحث و مباحثہ ہوا کہ ان ملکوں کے آپس کے تعلقات کیسے خوشگوار اور قریبی رہ سکتے ہیں۔

گاندھی جی نے انہیں بتایا کہ وہ ہندوستان کا اصلی روپ مغرب زدہ شہروں میں نہیں بلکہ سات لاکھ گاؤوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے یاد دلایا کہ دنیا کے تمام بڑے مذہب یہاں تک کہ سب کے بانی حضرت عیسیٰ سمیت مشرق ہی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے اب بھی انہیں مشرق کا پیغام مغرب کو پہنچانا ہے۔ یہ بھی کہا کہ ان کے دلوں میں مغرب کی طرف سے جس نے ان کے ملک کو لوٹا اور ستایا ہے نفرت نہیں ہونی چاہیے بلکہ انہیں مشرق کی حکمت سے مغرب کو فیض پہنچانا چاہئے۔

مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے ہو کر آئے۔ وہ برطانیہ کے شاہی خاندان اور ملکہ وکٹوریہ کے پوتے تھے۔ لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اپنے ساتھ ایک نئی اسپرٹ لے کر آئے۔ انھوں نے اعلان کیا وہ ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت ختم کرنے آئے ہیں۔

انھوں نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ وہ ان سے آکر ملیں۔

گاندھی جی اس وقت بہار میں تھے۔ اگرچہ ان کے جانے کے لئے ایک خاص ٹرین کا انتظام کیا گیا مگر انھوں نے ریل سے حسب دستور تھرڈ کلاس میں سفر کیا۔ دو گھنٹے تک ان کی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی گفتگو ہوئی۔ اس وقت سے ان میں ایک گہری، پرخلوص اور پائدار دوستی کا آغاز ہوا۔ پھر اگلے بارہ دن میں ان کی اور ملاقاتیں ہوئیں۔

لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن گاندھی جی کا بڑا احترام کرتے تھے۔ گاندھی جی کو بھی ان پر بھروسہ تھا اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ بہر حال ہندوستان کو آزادی دلانا چاہتے ہیں چاہے برطانیہ کی شہنشاہی جاتی ہی رہے۔

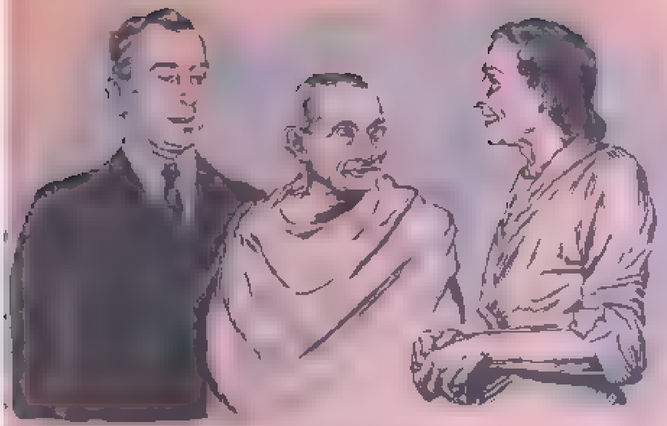

ان کا یہ خیال درست تھا لیکن آزادی جن حالات میں آئی اس کا گاندھی جی کو اندازہ تھا اور نہ وہ انھیں پسند کرتے تھے۔ ملک کو تقسیم کرنا پڑا۔ اس سے دونوں فرقوں کے مطالبوں میں پورب پچھم کا سا فرق تھا۔ گاندھی جی بہت سے لیڈروں سے ملے، سمجھایا، منایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

ایک پرچے میں انھوں نے بتایا کہ کانگریس نے اس شرط پر پاکستان بننا قبول کیا ہے کہ یہ سب لوگوں کی منظوری سے ہو۔ "میں ہندوستان کی کسی بھی تقسیم کے خلاف ہوں۔ سوا خدا کے کوئی بھی مجھے اس کو منظور کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔" انھوں نے بہت دکھ کے ساتھ کہا کہ ان کے تیس برس کے کام کا جو نتیجہ نکلا وہ بڑا افسوس ناک ہے "میں پندرہ اگست کے جشن میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

رات کے بارہ بجتے ہی ایک نیا دور شروع ہوا [illegible] جیسے [illegible] ہوتے ہی ۱۵ اگست کا دن تھا [illegible] ہندوستان [illegible]

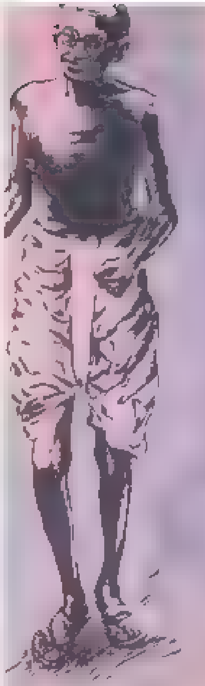

[illegible]

نئی دہلی — عظیم الشان ریزیڈنٹ ہاؤس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وہ سرکاری اعلان پڑھا جس میں ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا گیا تھا۔ فوراً ہی ہر طرف خوشی کے نعرے لگائے جانے لگے۔ توپیں دغیں۔ گرجاؤں کے گھنٹے بجے۔ پورے ہندوستان نے بچے بچے اور ہر طرح سے اس عظیم تاریخی واقعہ کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔

وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے کہا: "دنیا سو رہی ہے جب ہندوستان جاگ اٹھا ہے ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے کے لئے" یہ موقع تاریخ میں بہت کم آتا ہے۔ انھوں نے کہا "مقررہ دن آ پہنچا ہے وہ دن جو تقدیر نے مقرر کیا تھا۔ ہندوستان بہت دن سوتے اور بہت دن جدوجہد کرنے کے بعد جاگ اٹھا ہے آزاد، خود مختار زندگی سے بھرپور"

ہم آزادی کی خوشی مناتے ہیں اگرچہ ہمارے گرد مصیبت کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ہمیں بہت سے مشکل مسئلوں کا سامنا ہے اور ہمارے بہت سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہیں۔

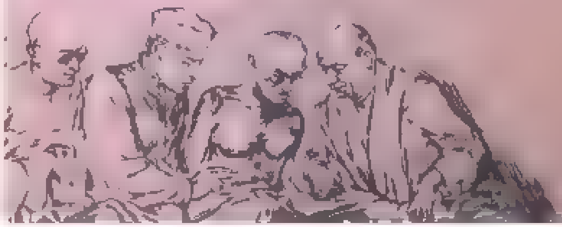

آج کے دن ہمارا خیال سب سے پہلے آزادی کے معمار، بابائے قوم کی طرف جاتا ہے جن کے اندر ہندوستان کی روح مجسم ہو گئی ہے۔ انھوں نے آزادی کی مشعل ہاتھ میں لے کر اس اندھیرے میں جو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اجالا کر دیا۔

پھر ہمیں دھیان کرنا ہے آزادی کے ان نامعلوم سپاہیوں اور رضاکاروں کا جنہوں نے بغیر کسی تعریف کی تمنا یا بدلے کی خواہش کے مرتے دم تک ہندوستان کی خدمت کی۔

"ہم دنیا کی قوموں کو سلام بھیجتے ہیں اور یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ مل کر آزادی، امن اور جمہوریت کا بول بالا کریں گے۔"

اور ہم بھارت ماتا کو جو ہماری [illegible] ہے [illegible] ہم اس کی خدمت کا عہد کرتے ہیں [illegible]

[illegible]

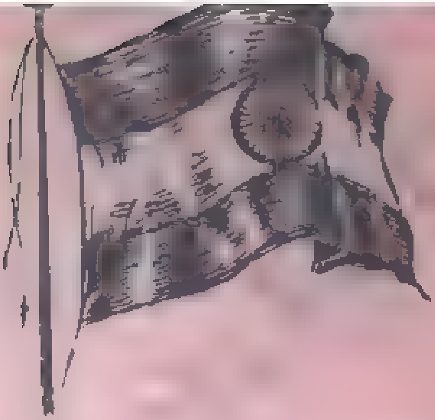

لال قلعہ کی شاندار فصیل پر زعفرانی سفید اور سبز جھنڈا بڑی شان اور فخر کے ساتھ لہرا رہا تھا۔ کتنے لوگوں نے قلعہ کے سامنے کھڑے ہو کر آزاد ہندوستان کے پرچم کو سلام کیا۔ اور لال قلعہ ایک بار پھر زندہ تاریخ کا مرکز بن گیا۔

لوگ پچھلی باتوں کو بھلا دینے کو

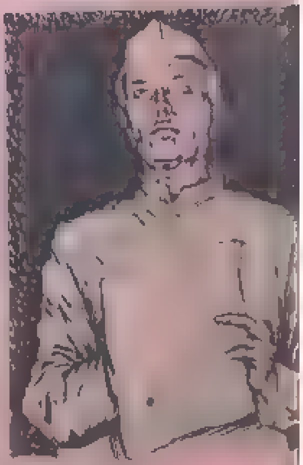

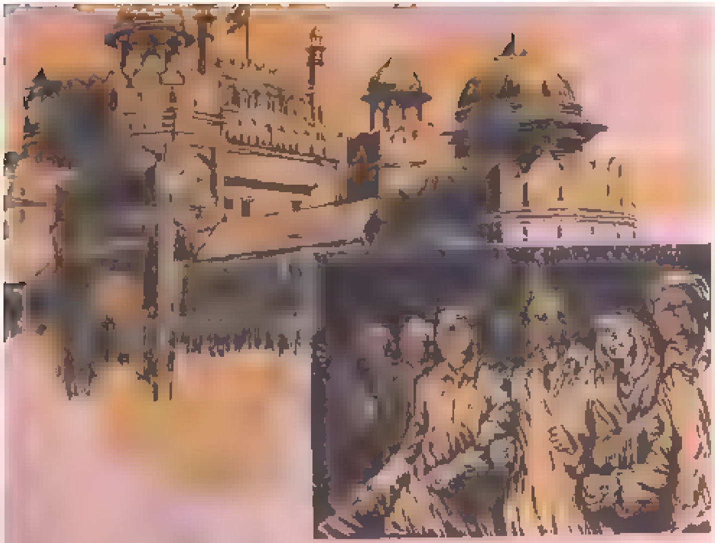

تیار تھے۔ برطانیہ کے خلاف ان کے دلوں میں کوئی غصہ نہ تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان کے دلوں کو جیت لیا تھا، اور وہ چلا رہے تھے "لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جے" "انقلاب زندہ باد"۔ ہزاروں گلوں سے بار بار اپنے لیڈروں کے جے کار سے نکل رہے تھے۔

لیکن ایک شخص تھا جو اس جشنِ آزادی میں شریک نہ تھا۔ وہ جس کا اس آزادی کے حاصل کرنے میں سب سے بڑا حصہ تھا۔ گاندھی جی نے دلی کا دعوت نامہ قبول نہیں کیا، قوم کے نام کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ اس سارے دھوم دھڑکے کے درمیان وہ دکھی تھے، غمزدہ تھے۔ اس شور و غل کی طرف سے انھوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے

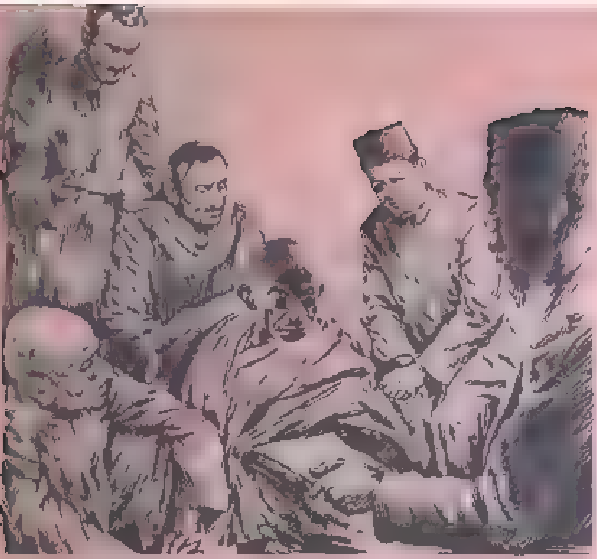

آپ مہاتما انھوں نے پکار کر کہا "تاریکی سے روشنی کی طرف [illegible]"
پنجاب میں آزادی کے بعد تشدد کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ لیکن کلکتہ میں ان کی موجودگی
کی وجہ سے کچھ عرصے تک بنگال میں فساد رکا رہا۔ لیکن ستمبر میں وہاں پھر فساد پھوٹ پڑا
اب گاندھی جی نے وہی آخری تدبیر آزمائی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اگر خون ریزی
بند نہ ہوئی تو وہ مرن برت رکھ کر جان دے دیں گے۔ دیکھتے دیکھتے نقشہ بدل گیا۔ [illegible]
چاقو اور دوسرے ہتھیار پھینک دیئے گئے۔ شہر کے ایک [illegible]
لئے تیار ہیں تاکہ لوگ امن سے زندہ رہ سکیں۔

ان کا کارنامہ [illegible] گاندھی جی [illegible]
ہوئے۔

گاندھی جی غمزدہ تھے
ان کی تیس سال کی محنت
کا یہ افسوسناک انجام ہوا انھوں
نے [illegible]
گئیں [illegible] چرخا کاتا۔
انھوں نے اپنے ایک دوست
کو لکھا "انسانیت پر بھروسہ
کرنا مت چھوڑو۔ انسانیت ایک
سمندر کی طرح ہے۔ اگر سمندر
کے چند قطرے گندے ہو جائیں
تو اس سے سمندر گندہ نہیں ہوتا۔"

آزادی کے ساتھ ان
کے خوابوں کا متحدہ ہندوستان
ٹوٹ گیا۔ جب ملک کے جسم
کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے
تھے انھوں نے ہندو مسلمانوں
میں محبت اتفاق پیدا کرنے کی
[illegible]
[illegible]
[illegible]

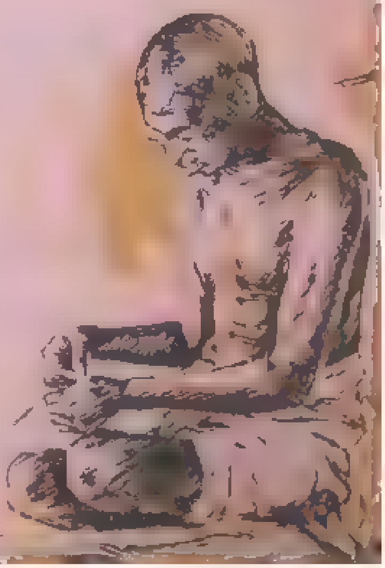

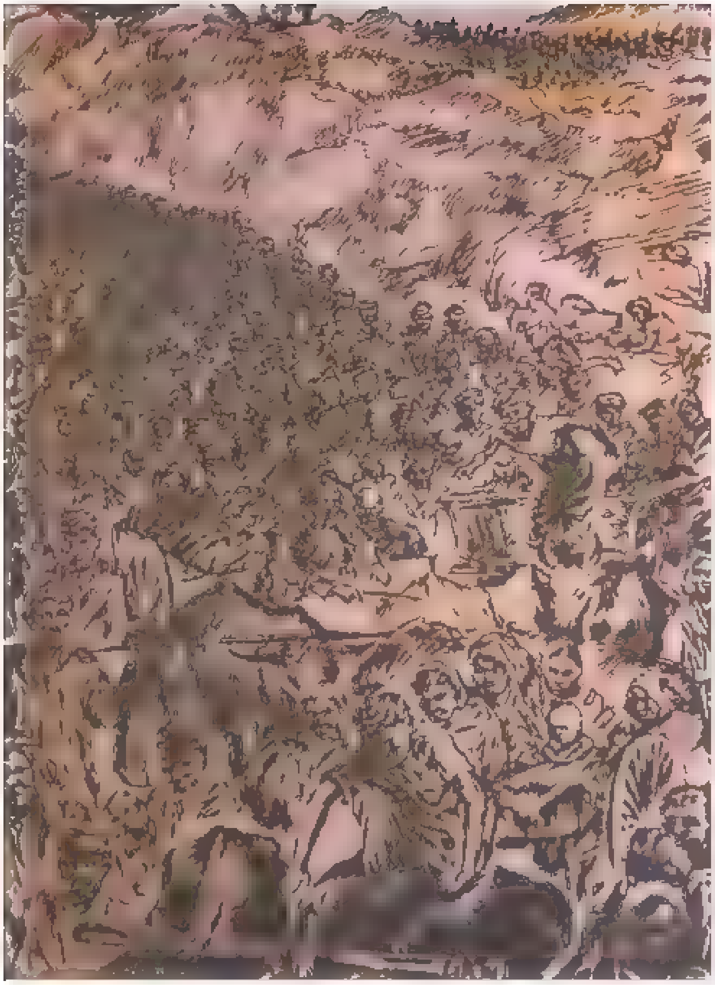

دستور ہے ... اٹھترویں سالگرہ پر لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے مبارک باد دی تو گاندھی جی نے کچھ مذاق اور کچھ سنجیدگی میں کہا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ انھیں امید ہے کہ وہ ایک سو پچیس برس تک زندہ رہیں گے، جو ہندو روایت کے مطابق انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر ہے لیکن اب انھیں زندہ رہنے کی ذرا بھی خواہش نہیں رہی تھی۔ دنیا ان کی نگاہوں میں اندھیری تھی۔ ان کے خواب چکنا چور ہو چکے تھے۔

میں نے ... ہندوؤں اور سکھوں کا 57 میل لمبا قافلہ ... دیکھا ہے۔ اس کا تصور کرتا ہوں تو میرا سر چکرانے لگتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے ... انسانی تاریخ میں کوئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گاندھی جی سے کوئی مالا

[illegible]

[illegible]

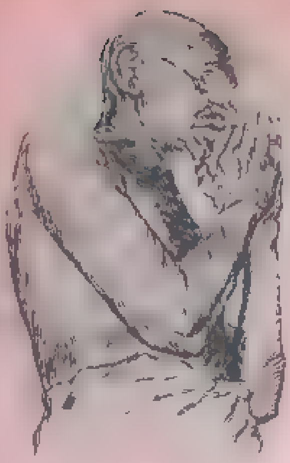

سارا علاقہ خونریزی کی لپیٹ میں [illegible] پیچھے چھوڑ کر ہاتھ سے دھو بیٹھے تاریخ میں آج تک لوگ اتنے بڑے پیمانے پر ایک ملک سے دوسرے میں منتقل نہیں ہوئے تھے۔ یہ بدنصیب لوگ سب کچھ کھو کر محتاج ہو گئے تھے۔ پنجاب کے اس حصے سے جو اب پاکستان کہلاتا ہے لاکھوں ہندو سکھ چلے آ رہے تھے اور لاکھوں مسلمان ہندوستان سے مغربی پاکستان کی طرف جا رہے تھے۔ کبھی کبھی ان قافلوں کے آمنے سامنے راستوں میں ٹکر ہو جاتی تھی اور وہ خوفناک منظر دیکھنے میں آتے تھے جن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے لوگ بھوک، پیاس کی شدت، بیماری کی وجہ سے راستے ہی میں گر کر مر جاتے تھے۔

ذاتی [illegible] نفرت نے، جو مذہبی جنون لوگوں میں پیدا کر دیا تھا اس [illegible] کو وحشی بنا دیا تھا مگر اس سب کے باوجود گاندھی جی کا انسانیت پر سے عقیدہ نہیں اٹھا۔

پہلے کبھی ان پر ایسے سخت وقت گزر رہے تھے جب [illegible] کا گھر [illegible] تھا اور وہ [illegible] برداشت [illegible] امید تھے جب انھوں نے [illegible] وقت [illegible] ان [illegible] تھے۔ [illegible]

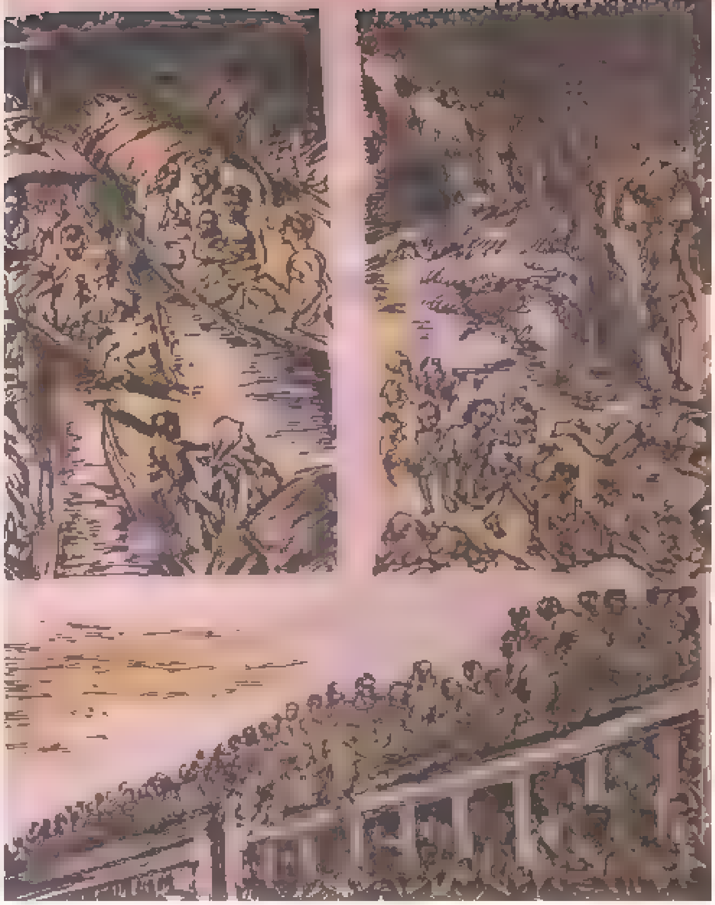

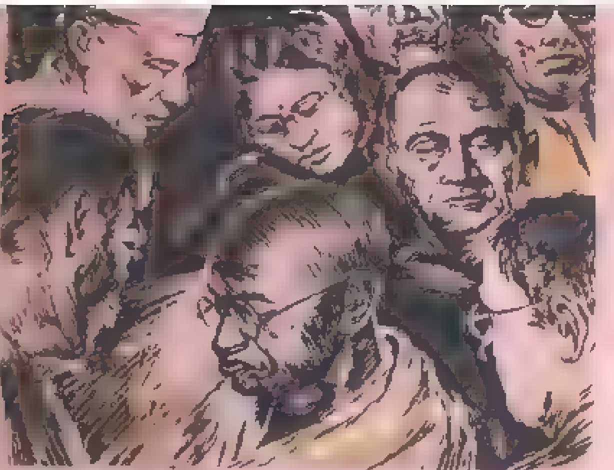

کے وجود کا یقین نہ رکھتا تو کب کا دیوانہ ہو چکا ہوتا اور کسی دن دریائے ہگلی میں کود پڑتا۔"
لیگاندھی جی دلی آگئے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کی وجہ سے بے حد غمگین اور مایوس۔ انھوں نے کہا "آج سے پہلے کبھی میں نے بے بسی کو محسوس نہیں کیا تھا۔"

بغیر کسی سے مشورہ کیے انھوں نے مرن برت رکھنے کا فیصلہ کر لیا "یہ برت بھارت کے ہندوؤں اور پاکستان کے مسلمانوں کے ضمیر کو جگانے کے لئے ہے۔" سب لوگ چونک پڑے اور دونوں فرقوں میں امن قائم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ سب کو کو فکر تھی کہ کسی طرح ان کی جان بچائیں۔ ہندوستان کی حکومت نے ۵۵ کروڑ روپیہ جو لے پاکستان کے حصہ کا واجب تھا روک لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بعد میں جو رقم پاکستان کے ذمہ نکلے گی وہ اسی سے وضع کر دی جائے گی۔ مگر اب گاندھی جی کے کہنے پر فوراً یہ رقم پاکستان کو بھیج دی گئی۔

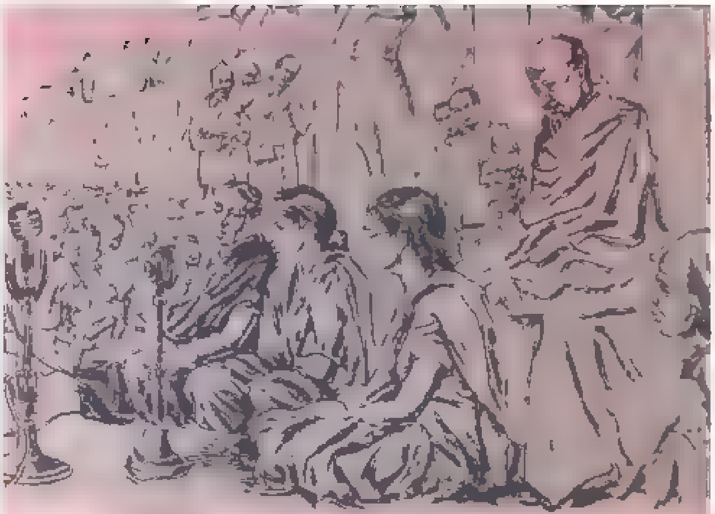

مقرت ہوں میں پاگل ہو گیا ہوں۔ دوسروں کی طرح مجھے بھی نجی اور پبلک زندگی میں بہت سخت اور تلخ تجربوں سے سابقہ پڑا ہے ان سے عارضی طور پر مجھ پر مایوسی چھا گئی۔ اس سے اگر میں نجات پا سکا تو صرف دعاؤں کے صدقے میں۔ حق پرستی کی طرح یہ بھی میری زندگی کا ایک جز ہیں۔"

کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا
"روز بروز کی نئی مصیبت اور مایوسیوں سے دوچار ہوا ہوں لیکن میں نے اپنے من سے امید خدا

برت کے دوران وہ بے حد کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ آواز بھی بمشکل منہ سے نکلتی تھی۔ آخر تمام فرقوں کے نمائندوں کی طرف سے امن قائم رکھنے کے عہدنامے پر دستخط ہو گئے اور اس طرح گاندھی جی کو مطمئن کیا گیا۔

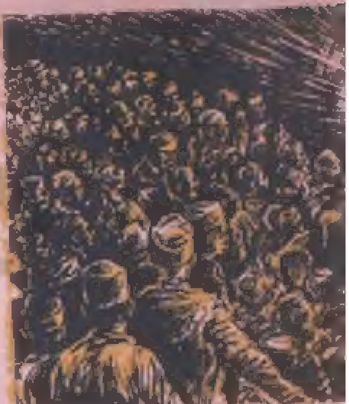

پرارتھنا سبھا ہوئی جس میں ان کے پسندیدہ بھجن گائے گئے اور اس کے بعد گاندھی جی نے اپنا برت توڑ دیا۔

گاندھی جی برابر ابھی پرارتھنا سبھا میں پابندی سے جاتے رہتے تھے۔ اپنا برت توڑنے کے بعد بھی وہ ایک کرسی پر برلا ہاؤس کے اس چھوٹے کمرے سے جس میں وہ رہتے تھے، پرارتھنا سبھا میں لائے گئے۔

دوسرے دن شام کو حسب دستور پرارتھنا سبھا ہو رہی تھی کہ زور کا دھماکہ سنائی دیا۔ یہ بم کا دھماکہ تھا جو گاندھی جی پر پھینکا گیا تھا۔ وہ ان سے کچھ دور پر پھٹا جس سے باغ کی دیوار کا کچھ حصہ اڑ گیا۔ گاندھی جی سکون سے بیٹھے رہے۔ "اس سے گھبراؤ نہیں، میری بات سنو" یہ انھوں نے سمجھایا۔ ان کے صبر نے مسلمانوں کی جانیں بچائی

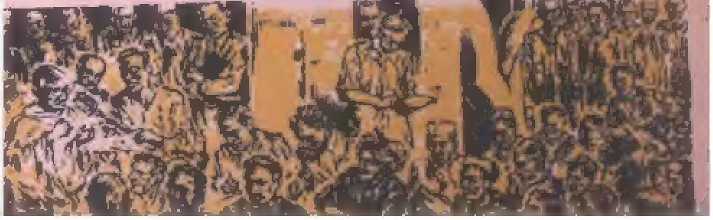

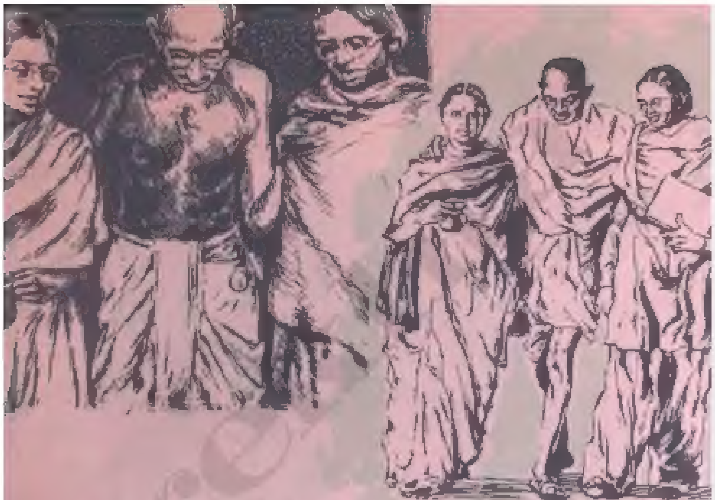

تھیں۔ اس سے کچھ فرقہ پرست متعصب لوگ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ بہر حال انھوں نے سختی سے یہ کہہ دیا کہ پرارتھنا سبھا میں آنے والے لوگوں کی تلاشی ہرگز نہ لی جائے۔

جمعہ کا مبارک دن تھا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کا ایک بہت سرد دن۔ صبح سویرے گاندھی جی نے اپنے کام کرنے والے ساتھی سے کہا: "میرے سب ضروری خط لے آؤ۔ آج مجھے سب کا جواب دینا ہے۔ ہو سکتا ہے کل میں ہوں ہی نہیں۔"

شام کو پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ گاندھی جی اپنی پوتیوں منو اور ابھا کے سہارے جلد جلد کمرے کی پانچ چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اتر کر لان پر آ گئے اور پرارتھنا سبھا کے چبوترے کی طرف بڑھے۔

سب لوگ سلام کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ بہت سے لوگ آگے بڑھ آئے۔ کچھ لوگ ان کو راستہ دینے کے لئے ہٹ گئے۔ ایک دم خاکی یونیفارم پہنے ایک شخص دھکا دے کر آگے بڑھا۔ پہلے ہی دیر ہو چکی تھی اس لئے منو نے اسے روکنے کی

کوشش کی مگر اس نے دھکا دے کر اسے گرا دیا۔

مہاتما گاندھی سے دو فٹ کے فاصلے پر وہ رکا، جھک کر پرنام کیا اور پھر اپنا پستول نکال کر تیزی سے ایک، دو، تین گولیاں چلائیں۔ پہلی گولی گاندھی جی کے پیٹ میں گھس کر پیٹھ سے باہر نکل گئی۔ دوسری ان کے سینے میں لگی جو پھیپھڑے میں گھس گئی۔

پہلی گولی کھا کر ان کا اٹھا ہوا پیر زمین پر گر گیا۔ لیکن وہ کھڑے رہے۔ دوسری پر ان کے چہرے کا رنگ زرد جیسا ہو گیا اور ان کے سفید کپڑے خون سے رنگین۔ دھیرے سے ان کا ہاتھ پہلو میں گر پڑے۔

بہت نرم لہجے میں ان کے منہ سے نکلا "ہے رام" اس کے بعد تیسری گولی کھائی اور وہ زمین پر گر پڑے۔ عینک زمین پر گر پڑی اور پیروں سے چپل نکل گئی۔ آبھا اور منو نے ان کا سر پکڑا۔ لوگ اٹھا کر انھیں برلا ہاؤس لے گئے۔

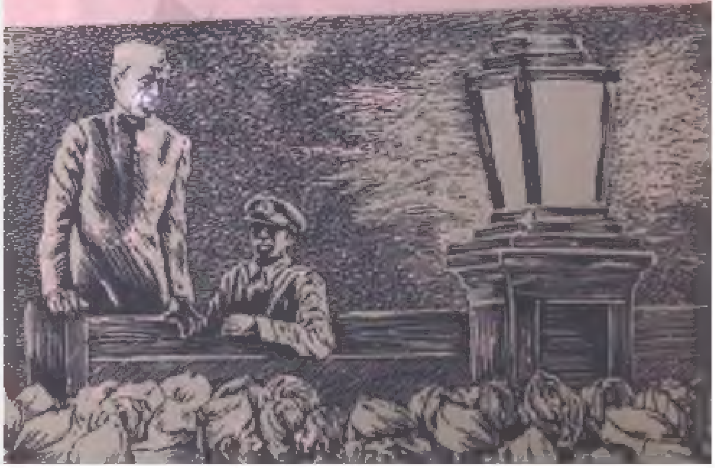

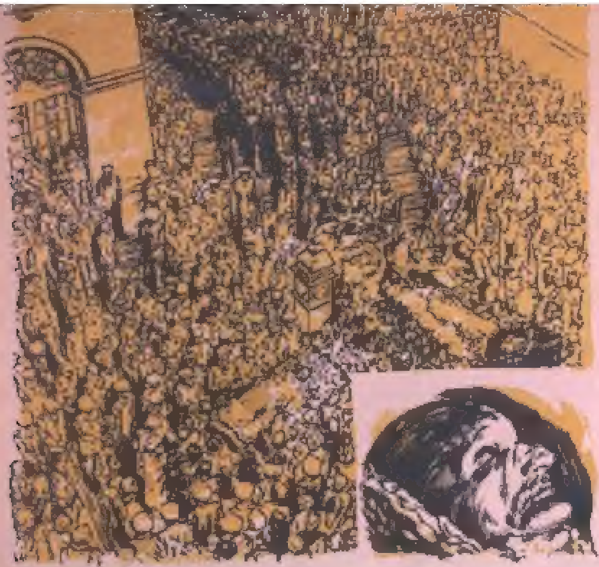

دس منٹ بعد ایک ڈاکٹر نے اعلان کیا کہ وہ خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔

جواہر لال نہرو آفس سے دوڑے آئے۔ وہ ان کے جسم کے پاس گھٹنوں کے بل جھک گئے، اپنا چہرہ ان کے خون سے تر بتر کپڑوں میں چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سارا جسم ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

مگر ان کا یہ فرض بھی تھا کہ اس المناک حادثہ کا اعلان کریں۔ برلا ہاؤس کے پھاٹک پر جا کر، جہاں ہزاروں آدمی جمع ہو گئے تھے، انھوں نے لوگوں کو یہ غمناک خبر سنائی۔

رات کو انھوں نے ریڈیو پر یوں خطاب کیا: "ہماری زندگی کی روشنی بجھ گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا بتاؤں، کیسے کہوں کہ ہمارا محبوب لیڈر، قوم کا باپ جسے ہم پیار سے باپو کہتے تھے اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"

اگلے دن گاندھی جی کا داہ سنسکار ہوا۔ پانچ میل لمبا جلوس ان کی ارتھی کے پیچھے پیچھے دریائے جمنا تک گیا۔ لاش ایک فوجی توپ گاڑی میں قومی جھنڈے میں لپٹی ہوئی رکھی تھی گاڑی کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ بری، بحری اور ہوائی فوج اور پولیس کے چھ ہزار سپاہی سامنے اور پیچھے مارچ کر رہے تھے۔ پندرہ لاکھ آدمی جلوس کے ساتھ چل رہے تھے اور دس لاکھ راستے میں کھڑے درشن کر رہے تھے۔

نہرو جی اپنے کو بڑا تنہا اور بے سہارا محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کے کندھوں پر قوم کی بھاری ذمہ داری آپڑی تھی اور اب ان کے پاس قوم کا باپ رہنمائی کرنے اور مشورہ دینے کے لئے نہ تھا۔

رام داس نے اپنے والد کی میت کو آگ دی۔ بڑا الم ناک نظارہ تھا۔ ہر شخص رو پڑا۔ آدمیوں کا جو سمندر سا تھا اس سے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آگ کے شعلوں نے گاندھی جی کے مقدس جسم کو جلا کر راکھ کر دیا۔

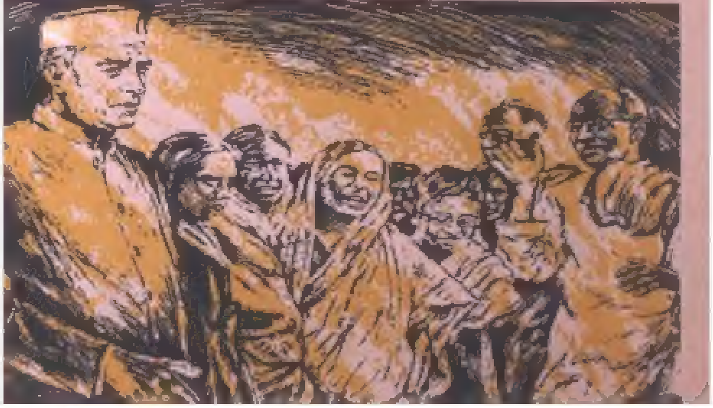

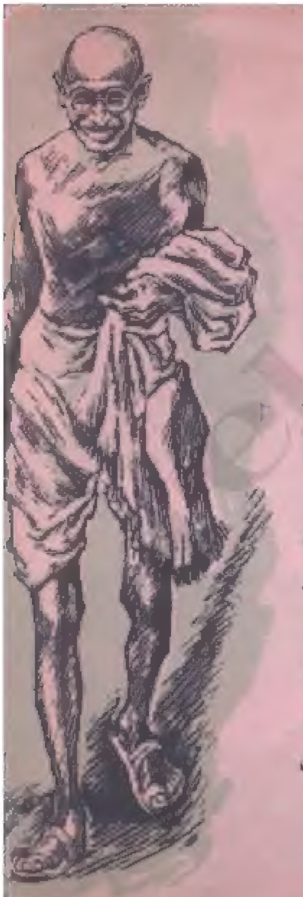

گاندھی جی کا شمار تاریخ کے ان رہنماؤں میں ہے جو امر ہوتے ہیں۔ وہ ایک فلسفی اور سنت، ٹیچر اور معلم اخلاق، ادیب اور مقرر تھے مگر ساتھ ہی بے حد منکسر مزاج انسان۔ ان میں عمل کی زبردست قوت تھی۔ وہ ساری قوم کے باپ تھے اور دوست بھی۔ ایسے انسان جس نے دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت کی بنیادیں ہلا دیں، جو وائسرایوں اور بادشاہوں کے ساتھ ملتا جلتا تھا، مگر بڑی عاجزی کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح "اچھوتوں" کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بے تاج کا بادشاہ جس کے ملک میں بہترین نفیس کپڑا تیار ہوتا تھا، ہاتھ کے کتے اور بنے موٹے کھدر کی دھوتی پہنتا تھا۔ انھوں نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی میں جو ان کے پیرو اور معتقد تھے، ایک مقصد پیدا کر دیا اور خود ان کے لئے ہمیشہ جان دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نحیف انسان کے جسم میں کسی جن کی سی قوت عمل تھی۔

گاندھی جی کیا تھے؟ مہاتما بدھ کے بعد انھیں سب سے عظیم ہندوستانی کہا گیا ہے۔ مگر کیا وہ ان سے بھی زیادہ عظیم نہ تھے؟ ہاں صرف تاریخ ہی اس سوال کا جواب دے سکتی ہے۔

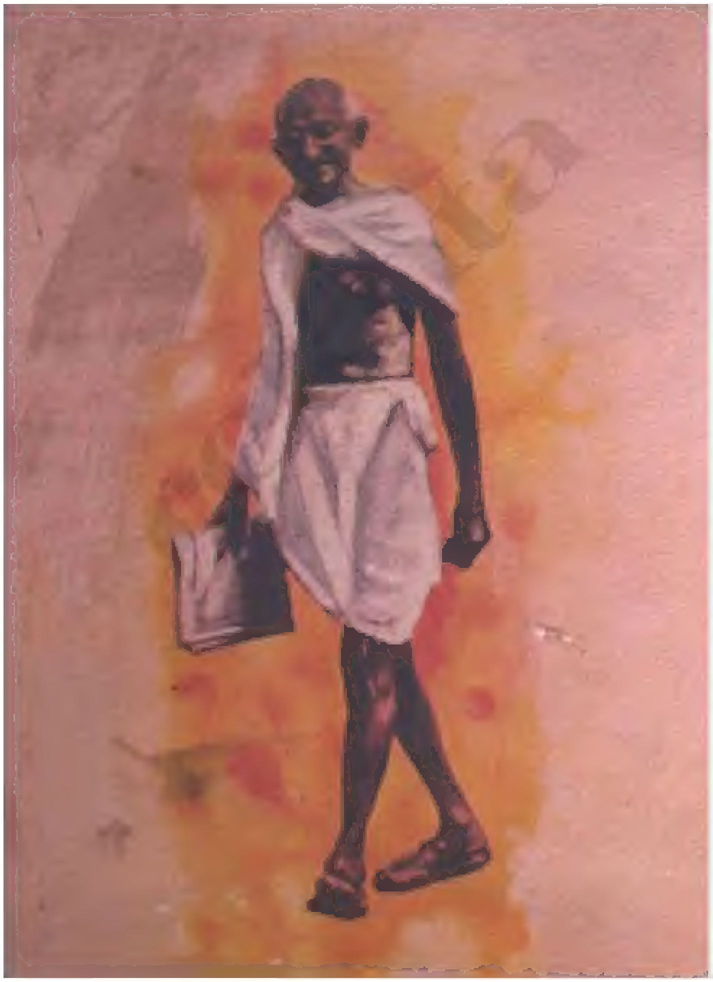

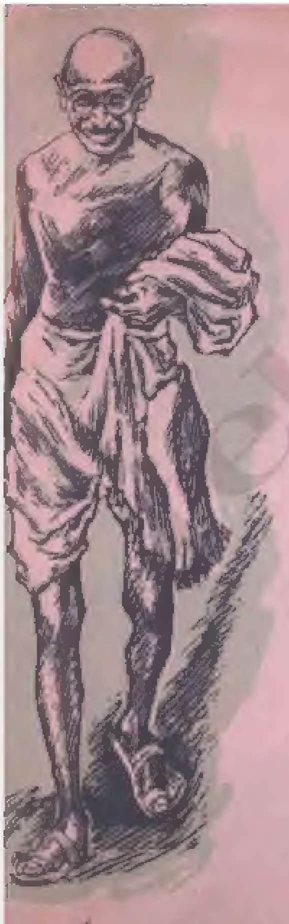

گاندھی جی کا شمار تاریخ کے ان رہنماؤں میں ہے جو امر ہوتے ہیں۔ وہ ایک فلسفی اور سنت ٹیچر اور معلم اخلاق، ادیب اور مقرر تھے مگر ساتھ ہی بے حد منکسر مزاج انسان۔ ان میں عمل کی زبردست قوت تھی۔ وہ ساری قوم کے باپ تھے اور دوست بھی۔ ایسے انسان جس نے دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت کی بنیادیں ہلا دیں جو وائسرائوں اور بادشاہوں کے ساتھ ملتا جلتا تھا، مگر بڑی عاجزی کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح "اچھوتوں" کے ساتھ رہتا تھا وہ بے تاج کا بادشاہ جس کے ملک میں بہترین نفیس کپڑا تیار ہوتا تھا، ہاتھ کے کتے اور بنے موٹے کھدر کی دھوتی پہنتا تھا۔ انھوں نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی میں جو ان کے پیرو اور معتقد تھے، ایک مقصد پیدا کر دیا اور خود ان کے لئے ہمیشہ جان دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نحیف انسان کے جسم میں کسی جن کی سی قوت عمل تھی۔

گاندھی جی کیا تھے؟ مہاتما بدھ کے بعد انھیں سب سے عظیم ہندوستانی کہا گیا ہے۔ مگر کیا وہ ان سے بھی زیادہ عظیم نہ تھے؟ ہاں صرف تاریخ ہی اس سوال کا جواب دے سکتی ہے۔